مسلکِ اعلیٰ حضرت و جمہور علماء اہلسنت کے
افکار و نظریات کا ترجمان

دوماہی
الرضا
انٹرنیشنل پٹنہ

جلد نمبر ۱ — شمارہ نمبر ۵

Bimonthly AL-RAZA (International) Patna

جولائی، اگست ۲۰۱۶ء، ذی القعدہ ذی الحجہ ۱۴۳۷ھ

بیادگار

امام اہلسنت سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت
امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز

بطلِ روحانی

حجۃ الاسلام حضرت علامہ الشاہ
محمد حامد رضا خاں قدس سرہ العزیز

مفتی اعظم ہند حضرت علامہ الشاہ
محمد مصطفےٰ رضا نوری قدس سرہ العزیز

زیر سایۂ کرم

جانشین حضور مفتی اعظم ہند تاج الشریعہ قاضی القضاۃ فی الہند حضرت علامہ الشاہ **مفتی اختر رضا خاں قادری رضوی الازہری** مدظلہ العالی
بریلی شریف (اتر پردیش)

زیر عاطفت

محدث کبیر حضرت علامہ الحاج الشاہ
ضیاء المصطفیٰ قادری امجدی مدظلہ العالی جامعہ امجدیہ، گھوسی (اتر پردیش)

مراسلت و ترسیل زر کا پتہ

دوماہی 'الرضا' انٹرنیشنل، پٹنہ

ہیرا کامپلیکس، قطب الدین لین، نزد دریاپور مسجد
سبزی باغ، پٹنہ 800004 رابطہ: 9835423434 / 8521889323
ای میل: alraza1437@gmail.com

Bimonthly AL-RAZA (International) Patna
C/o. Ahmad Publications Pvt. Ltd.
Hira Complex, Qutubuddin Lane, Near Daryapur Masjid,
Sabzibagh, Patna - 4, E-mail: alraza1437@gmail.com,
Contact / Telegram / Whtsapp: 8521889323

رابطہ: (مدیر اعلیٰ) amjadrazaamjad@gmail.com/9835423434
پتہ: القلم فاؤنڈیشن نزد شادی محل، سلطان گنج پٹنہ ۶ (بہار)

گول دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زر سالانہ ختم ہو چکا ہے
برائے کرم اپنا زر سالانہ ارسال فرمائیں تاکہ رسالہ بروقت موصول ہو سکے۔

قیمت فی شمارہ: ۲۵ روپے، سالانہ ۱۵۰ روپے بیرون ممالک سالانہ ۲۰ امریکی ڈالر

مشمولات

منظومات

بندہ بے کس ہے شہا رحم میں وقفہ کیا ہے

حسان الہند امام احمد رضا فاضل بریلوی

کس کے جلوہ کی جھلک ہے یہ اجالا کیا ہے
ہر طرف حیرت زدہ تکتا کیا ہے
مانگ من مانتی منہ مانگی مرادیں لے گا
نہ یہاں نا ہے نہ منگتا سے یہ کہنا کیا ہے
پند کڑوی لگے ناصح سے نہ ترش ہوائے نفس
زہر عصیاں میں ستم گر تجھے میٹھا کیا ہے
ہم ہیں ان کے وہ ہیں تیرے تو ہوئے ہم تیرے
اس سے بڑھ کر تیری سمت اور وسیلہ کیا ہے
ان کی امت میں بنایا انہیں رحمت بھیجا
یوں نہ فرما کہ ترا رحم میں دعویٰ کیا ہے
صدقہ پیارے کی حیا کا کہ نہ لے مجھ سے حساب
بخش بے پوچھے لجائے کو لجانا کیا ہے
زاہد ان کا میں گناہ گار وہ میرے شافع
اتنی نسبت مجھے کیا کم ہے تو سمجھا کیا ہے
بے بسی ہو جو مجھے پرسش اعمال کے وقت
دوستو کیا کہوں اس وقت تمنا کیا ہے
کاش فریاد مری سن کے یہ فرمائیں حضور
ہاں کوئی دیکھو یہ کیا شور ہے غوغا کیا ہے
کون آفت زدہ ہے کس پہ بلا ٹوٹی ہے
کس مصیبت میں گرفتار ہے صدمہ کیا ہے
کس سے کہتا ہے کہ للہ خبر لیجئے مری
کیوں ہے بیتاب یہ بے چینی کا رونا کیا ہے
اس کی بے چینی سے ہے خاطر اقدس پہ ملال
بے کسی کیسی ہے پوچھو کوئی گزرا کیا ہے
یوں ملائک کریں معروض کہ اک مجرم ہے
اس سے پرسش ہے بتا تو نے کیا کیا کیا ہے
سامنا قہر کا ہے دفتر اعمال ہے پیش
ڈر رہا ہے کہ خدا حکم سناتا کیا ہے
آپ سے کرتا ہے فریاد کہ یا شاہ رسل
بندہ بے کس ہے شہا رحم میں وقفہ کیا ہے
اب کوئی دم میں گرفتار بلا ہوتا ہوں
آپ آجائیں تو کیا خوف ہے کھٹکا کیا ہے
سن کے یہ عرض مری بحر کرم جوش میں آئے
یوں ملائک کو ہو ارشاد ٹھہرنا کیا ہے
کس کو تم مورد آفات کیا چاہتے ہو
ہم بھی تو آکے ذرا دیکھیں تماشا کیا ہے
ان کی آواز پہ کر اٹھوں میں بے ساختہ شور
اور تڑپ کر یہ کہوں اب مجھے پروا کیا ہے
لو وہ آیا میرا حامی میرا غم خوار امم
آ گئی جاں تن بے جاں میں یہ آنا کیا ہے
پھر مجھے دامن اقدس میں چھپالیں سرور
اور فرمائیں ہٹو اس پہ تقاضا کیا ہے
بندہ آزاد شدہ ہے یہ ہمارے در کا
کیسا لیتے ہو حساب اس پہ تمہارا کیا ہے
چھوڑ کر مجھ کو فرشتے کہیں محکوم ہیں ہم
حکم والا کی نہ تعمیل ہو زہرہ کیا ہے
یہ سماں دیکھ کے محشر میں اٹھے شور کہ واہ
چشم بد دور ہو کیا شان ہے رتبہ کیا ہے
صدقے اس رحم کے اس سایۂ دامن پہ نثار
اپنے بندے کو مصیبت سے بچایا کیا ہے
اے رضا جان عنا دل ترے نغموں کے نثار
بلبل باغِ مدینہ ترا کہنا کیا ہے

ادار یہ

ڈاکٹر محمد امجد رضا امجدؔ

خودی نہ بیچ فقیری میں نام پیدا کر

مدارس اسلامیہ کے جدید فارغین کی آزادانہ روش کا احتساب اور ذمہ داروں سے دردمندانہ اپیل

غیر منقسم ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ واشاعت اور فروغ واستحکام میں مدارس وخانقاہ کا جو حصہ ہے اسے فراموش نہیں کیا جاسکتا، انگریزوں نے اپنے دور اقتدار میں اسلامی اقدار کو مٹانے کی جو پیہم جدو جہد کی تھی اگر ہماری خانقاہیں اور مدارس اہل سنت زندہ ومتحرک نہیں ہوتے تو اس ملک کا اسلام بھی غرناطہ واسپین کی طرح ہمارا مرثیہ خواں ہوتا اور ہم تاریخ کا حصہ پارینہ بن چکے ہو تے۔سلام ان مردان خدا پر جنہوں نے فاقہ کا شکار ہوکر بھی اسلامی تحریک کو زندہ رکھا، بوریہ نشیں ہوکر بھی اپنی نسل کو عرش آشیان بنایا اور عسرت وتنگ دستی کے عالم میں بھی بڑی ہمت سے پرکھوں کی اسلامی امانت آئندہ نسلوں میں منتقل کی۔

برصغیر ہندو پاک میں قائم یہ مدارس دین کے وہ قلعے ہیں جس نے نسل درنسل دین کی خدمت کی ہے، علم کو فروغ دیا ہے، تہذیب وتمدن کے سوتے جگائے ہیں، روح کی تطہیر کے ساتھ فکرونظر کی طہارت کا سامان فراہم کیا ہے، ملکی وشرعی دستور وقوانین کی پاسداری کا سبق پڑھایا ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ ان اسلامی عقائد ونظریات کو سنبھال سنبھال کر رکھا ہے جو سیدنا داتا علی ہجویری، سیدنا خواجہ غریب نواز، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، سیدنا خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی، سیدنا خواجہ فریدالدین گنج شکر، حضرت سیدنا مخدوم شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری، سیدنا مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی، حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور حضرت شاہ فضل رسول بدایونی اور علامہ نقی علی خاں علیہم الرحمہ والرضوان کے توسط سے ان تک پہنچے تھے۔صدیوں پر محیط مدارس اسلامیہ کی یہ تاریخ سرسری نگاہوں سے نہیں بھیگی پلکوں سے پڑھنے کے لائق ہے کہ سلطان قطب الدین ایبک، شمس الدین التمش اور خاندان تغلق سے عہد مغلیہ کے ''بادشاہ غازی'' حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ تک اساطین امت نے مدارس اسلامیہ کو اپنے خون جگر سے سینچا ہے، زندگی کی آرائش ان کے نام وقف کی ہے اور حیات مستعار کا لمحہ لمحہ ان کے نذر کیا ہے، تب جاکر دینی مدارس کی تاریخ ''سرخی خوں سے بھی گہرا'' ہوسکی ہے۔

مگر کسے معلوم تھا کہ مسلمانوں کے عروج اور دینی مدارس کے ارتقا کا یہ سورج گہن آلود بھی ہوگا، محفل علم وعرفان پہ سوگواری کے پہرے بٹھادئے جائیں گے، میکدہ عشق کے میخواروں کو جام شہادت سے پیاس بجھانی ہوگی اور اس سرزمین کو صدیوں سے لالہ زار بنائے رکھنے والے علما کو تختہ دار پہ چڑھا دیا جائے گا، مگر سولہویں صدی کے ختم ہوتے ہوتے دنیا نے یہ سوگوار منظر بھی دیکھ لیا۔قابض انگریزوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں کی املاک تباہ کیں، علمائے اہل سنت کو پھانسی دی، مدارس اسلامیہ کو ویران کیا اور پورے ملک کے نظام تعلیم کو اپنے رنگ میں رنگنے کی مہم چلادی اور مسلمان چہارطرفہ پریشانیوں میں گھر گئے، اسی بے پناہی کے عالم میں انگریزوں نے مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لئے خطہ حجاز میں آزمائے ہوئے نسخہ کو یہاں بھی آزمایا اور محمد بن عبدالوہاب نجدی کی ''کتاب التوحید'' کا ''تقویۃ الایمان'' کے نام سے اردو میں ترجمہ کرا کر لاکھوں کی تعداد میں تقسیم کرادیا نتیجۃً انگریزوں کے مظالم سے ٹوٹے بکھرے مسلمان دو فرقوں میں بٹ گئے اور آپسی مزاحمت کا نیا طوفان شروع ہوگیا اسی افراتفری کے ماحول میں نیچریت، قادیانیت، غیر مقلدیت، صلح کلیت وغیرہ نے بھی سر ابھارا اور مسلمانوں کی مذہبی خانہ جنگی ایک نئے دور میں داخل ہوگئی۔

یہ وہ دور تھا جب سلسلہ ولی اللٰہی سے وابستہ افراد کشمکش کے شکار تھے، سلسلہ خیر آبادی کا دور فروغ بھی ایک مرکز پہ تھم گیا تھا، فرنگی محل اپنے عروج کے آخری دور میں تھا اور خانقاہیں اپنے اسلاف کے موروثی معمولات و مراسم کے تحفظ کے لئے ہاتھ پیر مار رہی تھیں، ایسے عالم میں پروردگار عالم نے دین متین کی حفاظت وصیانت اور علم وعرفان کی جھلملاتی ہوئی شمع کو پھر سے فروزاں کرنے کے لئے بریلی میں چودھویں صدی کے مجدد کے طور پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کو پیدا کیا، اور دنیا نے دیکھا کہ اس مرد قلندر نے الحاد و بے دینی اور اعتقادی بے راہ روی کا کس طرح چوطرفہ مقابلہ کیا۔ یہ حقائق جاگتی آنکھوں سے آج بھی دیکھے جاسکتے ہیں جوان کے سوانحی کتب کے علاوہ متعدد انسائیکلو پیڈیا میں موجود ہیں۔ ان کی ہزار سے متجاوز کتابیں اوران کی خدمات پر لکھی جانے والی تقریباً ۱۱/سو کتابوں کے علاوہ Ph,d کے ۵۵/مقالے اس بات کی شاہد ہیں کہ چودھویں صدی میں مسلمانان ہند کی فکری وعلمی رہنمائی کی جو ذمہ داری من جانب اللہ انہیں عطا ہوئی تھی انہوں نے اسے بخوبی ادا کیا اور ایسا ادا کیا کہ ان کا نام، ان کی کتابیں اوران کے شہر کی نسبت سنیت کی علامت اور اہل حق کی پہچان بن گئی۔

امام احمد رضا نے اعلائے کلمۃ الحق اور تحفظ ناموس رسالت کی جو تحریک چھیڑی تھی اسے ان کے خلفا نے کمزور نہیں ہونے دیا بلکہ ان کے اوصاف وکمالات کا نمونہ اور مظہر بن کر زمانہ پر چھا گئے، چنانچہ حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خان جانشیں اعلیٰ حضرت بن کر ابھرے، مفتی اعظم ہند مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خان تقویٰ کی مثال بن کر چمکے، صدر الشریعہ مولانا شاہ امجد علی اعظمی فقاہت کا آئینہ بن کر چمکے، ملک العلما مولانا شاہ ظفر الدین بہاری جدید علوم کے وارث بن کر ابھرے، صدر الافاضل مولانا شاہ نعیم الدین مرادآبادی سیاسی مدبر بن کر سیاست ہند پہ چھا گئے، محدث اعظم مولانا شاہ محمد اشرف اشرفی زبان وترجمان بن کر نمودار ہوئے، مبلغ اسلام مولانا شاہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی تبلیغ وہدایت کا نمونہ بن کر عالم اسلام کے دلوں کی دھڑکن بن گئے، شیر بیشہ اہل سنت مولانا شاہ محمد حشمت علی خان حق گوئی وبے باکی کا مظہر بن کر اٹھے، مولانا شاہ سید سلیمان اشرف بہاری ان کے خیالات کا بے باک ترجمان بن کر اٹھے، قطب مدینہ مولانا شاہ ضیاء الدین مدنی ان کی عارفانہ عظمت بن کر خطہ عرب میں پھیل گئے، برہان ملت مولانا شاہ برہان الحق جبل پوری حق کی دلیل وبرہان بن کر اٹھے، قاضی عبد الوحید فردوسی اور دبدبہ سکندری اور الفقیہ کے مدیران ان کی صحافتی سوچ کی گونج بن کر اٹھے، یعنی امام احمد رضا کی ذات میں سمٹی ہوئی خوبیاں متعدد افراد کے حصہ میں آئیں اور یہ حضرات اپنے مربی مرشد اور استاذ کی تحریک کا حصہ بن کر عالم اسلام کی ہمہ جہت مذہبی ملی اور علمی رہنمائی کا فریضہ انجام دینے لگے، یہ ہندوپاک کے خلفا وتلامذہ تھے، بیرون ممالک کے خلفا پر ایک نگاہ ڈالیں تو مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، شام اور دیگر ممالک میں پھیلے ہوئے خلفا نے ان کے افکار ونظریات کو عالمی سطح پر پھیلانے کا جو ناقابل فراموش فریضہ انجام دیا وہ تاریخ کا انمول حصہ ہے، اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے خلفا وتلامذہ میں کیسی کیسی نابغہ روزگار شخصیات ہیں اوران شخصیتوں کی کتنی ہمہ گیر اور متنوع خدمات ہیں، پروفیسر مسعود احمد مظہری علیہ الرحمہ نے بڑی پیاری بات کہی کہ:

> **''اکثر بزرگوں کے خلفا میں چند ہی چمکتے ہیں سب کے سب نہیں چمکتے، لیکن فاضل بریلوی کے بیشتر خلفا علم وعمل کے درخشاں آفتاب نظر آتے ہیں اس سے خود فاضل بریلوی کی عظیم شخصیت کا اندازہ ہوتا ہے، عظیم انسان ہی عظیم تاثیر رکھتے ہیں۔''**

(ماہنامہ اعلیٰ حضرت، صد سالہ منظر اسلام نمبر حصہ دوم)

خلفائے اعلیٰ حضرت اور مدارس کے قیام کا تسلسل:

خلفائے اعلیٰ حضرت کے خدمات کی متنوع جہات ہیں جن کی تفصیل پروفیسر مسعود احمد کی ''خلفائے محدث بریلوی'' مولانا صادق قصوری ومجید اللہ قادری کی ''خلفائے اعلیٰ حضرت'' اور مولانا عبد الستار طاہر کی ''خلفائے امام احمد رضا'' میں دیکھی جاسکتی ہے۔ ان تمام خدمات میں قیام مدارس اور تدریسی خدمات بڑی اہمیت کا حامل ہے جس نے ہندوپاک میں اہل سنت کی حقانیت

کے پرچم لہرادئے ہیں۔ پروفیسر مسعود احمد مظہری نے اپنے ایک مقالہ ''بانی مظہر اسلام کے خلفا کی زریں خدمات'' میں اس کی ایک جھلک پیش کی ہے جو ہمارے لئے چشم کشا اور تاریخ مدارس اسلامیہ کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے اہمیت کا حامل ہے اس فہرست کے مطابق: (۱) مولانا میر مومن علی مومن جنیدی نے ناگپور میں 'مدرسۃ العلوم' (۲) قاضی عبد الوحید فردوسی عظیم آبادی نے ۱۹۰۸ میں پٹنہ میں ''مدرسہ اہل سنت، مدرسہ حنفیہ'' (۳) مولانا رحیم بخش آروی نے ۱۹۲۵ میں آرہ بہار میں ''فیض الغربا'' (۴) مولانا سید دیدار علی شاہ الوری نے ۱۹۰۷ میں الور راجستھان میں ''مدسہ قوۃ الاسلام'' پھر ۱۹۲۴ میں لاہور پنجاب میں ''دار العلوم حزب الاحناف'' (۵) مولانا شاہ مختار صدیقی میرٹھی نے ڈربن میں ''یتیم خانہ'' اور برما ایک اسکول'' مانڈو میں ''دینی درسگاہ'' (۶) مولانا محمد حبیب الرحمٰن نے پیلی بھیت میں ''آستانہ شیریہ'' (۷) مولانا شاہ محمد حبیب اللہ میرٹھی نے میرٹھ میں ''مسلم دار الیتامیٰ والمساکین'' (۸) صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی نے ۱۹۲۸ میں مرادآباد میں اور ۱۹۴۸ میں لاہور میں ''جامعہ نعیمیہ'' (۹) مبلغ اسلام مولانا عبد العلیم صدیقی نے دیار غیر میں متعدد مدارس و تنظیمیں اور مفتی اعظم ہند مولانا شاہ مصطفیٰ رضا نوری نے بریلی شریف میں ''مظہر اسلام'' قائم فرمایا، یہ ایک جھلک ہے مگر اس جھلک کی بھی علمی شان یہ ہے کہ ان مدارس سے علم وفن کے وہ ماہرین پیدا ہوئے جنہوں نے پوری دنیا کو علم کی روشنی اور عقیدہ اہل سنت کی تابندگی سے مالا مال کردیا، انہوں نے مدارس قائم کئے، کتابیں تصنیف کیں، رسائل جاری کئے، اور ہر طرح مسلمانوں کی ملی وسیاسی رہنمائی کی اور سب سے بڑی یہ کہ اپنے تلامذہ کے دلوں میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری کی محبت اور ان سے عشق کا جنون بھر دیا کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ امت مسلمہ کی ملی و مذہبی رہنمائی اور اتحاد باہمی کے لئے اعلیٰ حضرت سے ان کی وابستگی ضروری ہے، چنانچہ یہ اسی وابستگی کا نتیجہ ہے کہ خلفائے اعلیٰ حضرت کے تلامذہ نے مدارس قائم کئے تو اس کی نسبت اعلیٰ حضرت کی طرف ضرور کی اور ہندوپاک میں ایسے سینکڑوں مدارس مل جائیں گے جس میں رضویہ، رضا، اعلیٰ حضرت، حامدیہ، نوریہ، وغیرہ الفاظ شامل ہیں۔ تفصیل کے لئے پروفیسر مسعود احمد مظہری کا مضمون مشمولہ صد سالہ منظر اسلام نمبر (مئی ۲۰۰۲) اور مولانا محمد ادریس رضوی کلیان کی کتاب ''کنز الایمان اور امام احمد رضا'' کا مطالعہ کریں۔

مدارس اہل سنت کے فارغین اور ان کے کارنامے:

جن قدیم مدارس نے ملک وبیرون ملک اپنے گہرے اثرات چھوڑے ان میں منظر اسلام، مظہر اسلام (بریلی شریف)، جامعہ نعیمیہ (مرادآباد) الجامعۃ الاشرفیہ (مبارک پور) جامع اشرف (کچھوچھہ شریف) مدرسہ قادریہ (بدایوں)، جامعہ امجدیہ، جامعہ نعیمہ (کراچی)، دار العلوم حزب الاحناف، جامعہ نظامیہ (لاہور) دار العلوم خیریہ (سہسرام) دار العلوم علیمیہ (جمد اشاہی) دار العلوم اسلامیہ (روناہی) جامعہ نوریہ (بریلی شریف) شمس العلوم (گھوسی) جامعہ امجدیہ (ناگپور وگھوسی)، جامعہ قادریہ (مقصود پور مظفر پور) وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ یہاں کے فارغین کی خدمات اتنی جہات کو محیط ہیں کہ انہیں چند صفحات میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ ان کی سوسالہ خدمات کے دائرہ میں عظمت مصطفیٰ کا اظہار، عقیدہ کا تحفظ، مسلک اہل حق کی اشاعت، مدارس ومساجد کا قیام، علم دین کا فروغ، امت مسلمہ کی رہنمائی وپیشوائی، مختلف موضوعات پہ تصنیفات وتالیفات، فرقہ باطلہ کا رد، معمولات اہل سنت کی حقانیت کا اثبات، اولیائے کرام کی بارگاہوں سے قربت اور بالخصوص اعلیٰ حضرت امام اہل سنت امام احمد رضا قادی قدس سرہ کی تعلیمات وتحقیقات، ان کے مسلک سے غیر متزلزل وابستگی اور مخالفین رضا کا رد واحتساب سبھی کچھ شامل ہے، اور آج تک یہی نصاب علم وعشق مدارس اہل سنت کا حصہ ہیں، اس کے باوجود اگر کسی صاحب کو علمائے اہل سنت کے پچاس سالہ خدمات میں ''رد وابطال'' کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا، تو انہیں ''لطف مے تجھ سے کیا کہوں زاہد'' کے علاوہ کیا کہا جائے۔ یہ صحیح ہے کہ علمائے اہل سنت کی خدمات کا غالب حصہ

عقائد اہل سنت کی صیانت اور گستاخ رسول ومنکرین عظمت سرکار کے خلاف پیکار وسرزنش پر مشتمل ہے مگر اسے تنقیص کی نگاہ سے دیکھنے کے بجائے حسن نظر سے دیکھا جانا چاہئے کہ یہ معاملہ ایمان وکفر اور ہدایت وگمرہی کا ہے، چہ جائے کہ علمائے اہل سنت کے اس عمل کو منفی اقدام سے تعبیر کیا جائے، یہ وہی منفی فکر اور غیر مدبرانہ نظریہ ہے جس کی روک تھام کے لئے اہل نظر علما اور بانیان مدارس نے طلبہ کو اعلیٰ حضرت سے وابستہ رکھا اور ''حسام الحرمین'' کی تصدیق کو ضروری قرار دیا۔

حافظ ملت کا مدبرانہ وعالمانہ اقدام:

اس سلسلہ میں دیگر مدارس کی خدمات اور ان کے کارناموں کی تفصیلات سے گریز کرتے ہوئے صرف ''الجامعۃ الاشرفیہ'' کے قابل تقلید عمل اور لازوال کارنامے کو دیکھا جائے تو حضور حافظ ملت کے مدبرانہ عمل اور عالمانہ کردار کے آگے گردنیں خم ہوجاتی ہیں اور ''قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید'' کا قول صادق نظر آتا ہے۔ انہوں نے قیام اشرفیہ کے ساتھ کچھ نقوش ایسے بھی چھوڑے ہیں جن پر اخلاص سے عمل کیا جائے تو ملت اسلامیہ کا اتحاد کبھی پارہ پارہ نہیں ہوسکتا، آج کے حالات کے پیش نظر ضروری ہے کہ اس فکر، نظریہ اور مبنی بر اخلاص عمل کو عام کیا جائے تا کہ نوجوان ذہنوں میں ''وسطیت واعتدال'' کے نام پر کھنچنے والی آڑی ترچھی لکیروں کو اپنے مرکز ومحور پہ سمیٹ لیا جائے۔ حافظ ملت کا چار مدبرانہ اقدامات کیا ہیں ملاحظہ کریں:

(۱) اشرفیہ کا دستور

(۲) عقائد علمائے دیوبند، نامی کتاب

(۳) امام احمد رضا کی تصنیف ''حسام الحرمین'' کی تصدیق کا اہتمام

(۴) تصدیق نہیں کرنے کے سبب اشرفیہ کے مدرس جناب ظفرادیبی صاحب کی برطرفی

اشرفیہ کے دستور کا پہلا حصہ ''ادارہ کے مسلک'' کے نام سے ہے، نظریہ واعتقاد میں پختگی اور صلح کلیت کے بڑھتے جراثیم کے سد باب کے لئے یہ کتنا اہم ہے اندازہ لگائیے:

(الف) ادارہ کا مسلک اس کے بانیوں (شیخ المشائخ حضرت مولانا سید شاہ ابواحمد محمد علی حسین اشرفی جیلانی کچھوچھوی، وصدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی علیہما الرحمہ مصنف بہار شریعت) کے موافق سنی حنفی بریلوی ہوگا اور سنی یا اہل سنت وجماعت وہ صحیح العقیدہ مسلمان ہیں جو تمام اعمال وعقائد میں سلف صالحین کا متبع ہو اور موجودہ زمانہ میں جس کی واضح نشاندہی یہ ہے کہ جو اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب بریلوی علیہ الرحمہ سے اعمال وعقائد میں بالکلیہ متفق ہوں اور تمام فرق باطلہ مثلاً وہابی دیوبندی رافضی غیر مقلد وغیرہ سے دور ونفور ہو اور کتاب مستطاب ''حسام الحرمین'' مصنفہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو حرف بہ حرف مانتا ہو۔

پھر اشرفیہ کے قیام کا مقاصد بیان کرتے ہوئے لکھا گیا ہے:

''مسلک امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خانصاحب بریلوی علیہ الرحمہ کی ترویج وتبلیغ کرنا ونیز بد مذہبیوں وگمراہیوں سے مسلمانوں کو بچانا''

''غیر متبدل اصول'' کے عنوان سے اشرفیہ کے مدرسین وملازمین اور ممبران کو جس اصول کا پابند بنایا گیا ہے وہ بھی دیکھیں:

(ب) جملہ مدرسین وملازمین، سارے عہدیداران اور تمام ممبروں کو عہدیدار اعلیٰ کے سامنے اس مضمون کا حلف لینا ہوگا کہ میں ہمیشہ ادارہ کے دستور کا وفادار رہوں گا اور ادارہ کے مقاصد ودستور کے خلاف کسی قسم کی جد وجہد میں کبھی شریک نہ ہوں گا۔۔۔ اور میں صحیح العقیدہ سنی مسلمان ہوں اور کتاب مذکور ''حسام الحرمین'' کی مکمل تائید کرتا ہوں'' (غمزہ چشم ہمزہ، ڈاکٹر شرر مصباحی)

ان تینوں اقتباسات میں بار بار یہ وضاحت کی گئی ہے کہ اشرفیہ کا فکری و عملی رشتہ اعلیٰ حضرت سے وابستہ ہے اور اشرفیہ کے قیام کا مقصد ہی افکار رضا کی ترویج اور بد مذہبوں کا رد و ابطال ہے۔ اشرفیہ اس مشن میں کتنا کامیاب ہے یہ بتانے کی ضرورت نہیں، ملک و بیرون ملک پھیلے ہوئے وہاں کے فارغین کی خدمات اس کی بین دلیل ہیں۔ علم وفن کے دوسرے شعبوں کے علاوہ خاص دستور میں مذکور ''مسلک امام اہل سنت کی ترویج اور بد مذہبوں سے مسلمانوں کو بچانا'' کے حوالہ سے بھی اشرفیہ کی تاریخ اتنی گہری اور تابناک ہے کہ امتداد زمانہ کی گرد اسے دھندلا نہیں سکتی۔ فتاویٰ رضویہ کے بعض جلدوں کی تبییض واشاعت، رسائل اعلیٰ حضرت کی تبییض وتخریج واشاعت، فتاویٰ رضویہ کی عربی عبارات کا اردو میں ترجمہ، جدالممتار کی تبییض واشاعت، مخالفین امام احمد رضا کا رد و ابطال، دیابنہ و وہابیہ سے مناظرہ، کس کس انداز سے اشرفیہ نے دستور پر عمل کر کے دکھایا ہے ان ''شہ سرخیوں'' سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

حسام الحرمین (۱۳۲۴ھ) حق و باطل کے درمیان خط امتیاز ہے، یہ علمائے عرب کی ان تصدیقات کا مجموعہ ہے جو انہوں نے ''المعتمد المستند'' پر کیں، اس میں فرقہ دیابنہ کے کفری عقائد کا ذکر اور پھر اس کی تکفیر ہے۔ اسی کتاب کی تصدیقات علمائے ہند نے بھی کیں جسے ''الصوارم الہندیہ'' کے نام سے شیر بیشہ اہل سنت نے مرتب کیا۔ ''حسام الحرمین'' کے پھیلتے ہوئے اثرات کے خوف سے دیابنہ نے ۱۳۲۵ میں ۲۶ رفرضی سوالات مرتب کر کے ''المھند علی المفند'' کے نام سے شائع کیا تو حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی نے ''التحقیقات'' کے نام سے اس کا مدلل جواب لکھا، پھر شیر بیشہ اہل سنت نے ''رادالمھند'' کے نام سے اس کا رد بلیغ فرمایا۔ دیابنہ کی طرف سے ''حسام الحرمین'' کے جواب میں گالیوں سے بھری کتاب ''الشہاب الثاقب'' سامنے آئی تو اس کی حقیقت بے نقاب کرنے کے لئے مفتی محمد اجمل سنبھلی صاحب نے ''رد شہاب ثاقب'' لکھی۔ ان تفصیلات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ''حسام الحرمین'' عقیدہ کے باب میں کتنی اہم کتاب ہے اور حضور حافظ ملت نے ''اشرفیہ'' کے دستور میں مدرسین ملازمین اور ممبران و فارغین سے اس کی تصدیق و تائید کیوں ضروری قرار دیا ہے۔

اشرفیہ کی تاریخ کا یہ باب بھی آب زر سے لکھے جانے کے لائق ہے کہ حافظ ملت نے دستور کے نام پر صرف خانہ پری نہیں کی بلکہ اس پر عمل کر کے دکھایا چنانچہ دنیا نے یہ منظر دیکھا کہ آپ نے ''حسام الحرمین'' کی تصدیق نہیں کرنے کے سبب اپنے یہاں کے باصلاحیت مدرس جناب ''ظفر ادیبی صاحب'' کو اشرفیہ سے برطرف کر دیا۔ اس عمل سے حافظ ملت کے تصلب فی الدین، حمیت مذہب اور امام احمد رضا قدس سرہ سے ان کے والہانہ عشق کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ آج اشرفیہ سے سینکڑوں علما فارغ ہو رہے ہیں اور سبھوں سے ''حسام الحرمین'' کی تصدیق لی جا رہی ہے یعنی حافظ ملت کا مشن آج بھی جاری ہے اور ان شاءاللہ ان فارغین کی کوششوں سے ''مسلک امام اہل سنت کی ترویج'' جاری رہے گی اور بد مذہبوں کا رد بلیغ بھی ہوتا رہے گا۔

جدید اذہان کا باغیانہ کردار:

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ منظر اسلام سے لے کر اشرفیہ تک علمائے اہل سنت کا ایسا زریں سلسلہ ہے جس نے پوری ایک صدی تک مسلمانان ہند کی علمی فکری ملی مذہبی رہنمائی کی ہے اور یہ عمل آج بھی جاری ہے مگر ادھر چند برسوں میں بعض ایسے افراد ابھر کر سامنے آئے ہیں جن کے نظریات کسی طرح بھی اکابر علما و مشائخ کے افکار و نظریات یا ''اشرفیہ، علیمیہ'' کی تعلیمات سے میل نہیں کھاتے، انہیں ان افراد کی صحبت میسر آ گئی ہے جو فکری اعتبار سے تشکیک و بے راہ روی کے شکار ہیں، انہیں افراد کے ہاتھوں برسوں سے ان کا استحصال ہو رہا ہے، مگر یہ اتنے بودے بھی نہیں کہ ان کے باغیانہ اقدام کو 'ان کا بچپنا'' سمجھ کر صرف نظر کر لیا جائے۔ بات کسی مسئلہ میں اختلاف کی نہیں کہ آنکھیں موند لی جائیں اور نہ تحقیقات میں نئی پیش رفت کا ہے کہ حوصلہ مندانہ خاموشی کا مظاہرہ کیا جائے، بات عقیدہ و نظریہ میں بے راہ روی کی ہے جس پر پوری صدی کا مذہبی پیکار شاہد ہے، اگر یہ امتیاز ہی درمیان سے ختم ہو جائے تو پھر حق و باطل

کی شناخت کا معیار کیا ہوگا؟ واضح رہے کہ یہاں ان موضوعات کو زیر بحث لانے کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ جماعت میں رہ کر جماعتی موقف سے انحراف کرنے والے افراد کو کم از کم ان کے اساتذہ اور ان کے مادر علمی کا عقیدہ و مسلک کا دکھا کر انہیں غور وفکر اور رجوع الی الحق کی دعوت دی جائے، ماضی میں اس طرح کی قلمی بے اعتدالیوں نے ہمیں وہاں لا کھڑا کیا ہے کہ آج چند در چند مسائل کھڑے ہوگئے ہیں اس لئے حق کے خلاف کسی بھی گوشہ سے اٹھنے والی آواز کا محاسبہ ہمارا ایمانی تقاضا ہے، یہ آواز کسی منظری ومظہری کی ہوگی تب بھی اس کی مخالفت ہوگی اور کسی مصباحی وعلیمی کی ہوگی جب بھی اس کی مخالفت وسرزنش کی جائے گی کہ یہی تقاضائے حقانیت ہے اور یہی مسلک اعلیٰ حضرت۔ پچھلے چند برسوں میں کسی شاطر دماغ کا آلہ کار بننے والے بعض نو فارغ افراد نے ان مسائل کو بحث ومذاکرہ کا عنوان بنایا ہے جو مسلمات سے انکار اور تحقیق میں تشکیک پیدا کرنے کے مترادف ہے، اس سے سماج میں جو بے چینیاں پیدا ہوئی ہیں اس کا ازالہ بہت ضروری ہے ذیل کے معروضات کو اسی تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔

اہل قبلہ کی تکفیر:

یہ وہ موضوع ہے جسے مکتبہ دیوبند وغیر مقلدین موضوع بنا کر اہل سنت پہ ناروا حملے کرتے رہے ہیں، علمائے اہل سنت نے اس مسئلہ کو اپنی تصانیف اور مقالے ومضامین میں اتنا آئینہ کر دیا ہے کہ مخالفین کو بھی مجال دم زدن نہیں، ''حسام الحرمین'' اسی موضوع پر علمائے حرمین کی تصدیقات کا مجموعہ ہے جس کی ''حرف بہ حرف تصدیق وتائید'' کو حافظ ملت نے اشرفیہ کے دستور میں لازمی قرار دیا ہے، حافظ ملت کا یہ عمل اہل قبلہ کی تکفیر کے مسئلہ میں حرف آخر ہے، اس کے باوجود ذیشان مصباحی مدرس مدرسہ عارفیہ سراواں ''خضر راہ'' (مئی ۲۰۱۳) میں کس جرأت سے لکھتے ہیں ''اس وقت کسی فرد کی تکفیر نہیں کی جائے گی اور نہ ہم تاویل کرنے والی کی تکفیر کریں گے'' دنیا سوچنے پر مجبور ہے کہ آخر ''اشرفیہ'' کی پاکیزہ فضاؤں سے عارفیہ تک آتے آتے ایسا کیا پلا دیا گیا کہ ''جو پڑھا لکھا تھا نیاز نے اسے صاف دل سے بھلا دیا'' کی نوبت آگئی۔ عزیز نووارد کو یاد رکھنا چاہئے، ابھی کے لاکھوں روپے کی کمائی بھی اپنے مادر علمی میں گزارے ہوئے زندگی کے قیمتی لمحات کا کفارہ نہیں بن سکتے کہ آج زندگی کی یہ چمک دمک اشرفیہ کی دین، قلم پکڑنے شعور اشرفیہ کا عطیہ، اور کچھ لکھنے کی شدبد بھی اشرفیہ کی چہار دیور میں گزرے ہوئے دن کی خیرات ہے۔ پھر اس مادرِ علمی کے موقف سے انحراف کی جرأت کیوں؟ آں جناب کا تکفیر کے مسئلہ میں تاویل کی آڑ لینا بھی دراصل مخالفین کی حمایت کا چور دروزہ ہی ہے ورنہ تکفیر میں تاویل احتیاط اور احتمال فی الکلام، احتمال فی المتکلم اور احتمال فی التکلم کا کون سا پہلو علمائے اہل سنت سے پوشیدہ ہے؟ اس کے باوجود علمائے دیوبند کی تکفیر کا صاف اور واضح مطلب یہی ہے کہ تاویل واحتیاط اور احتمال کے سارے پہلوؤں پہ فقیہانہ ہی نہیں متکلمانہ غور وفکر کے بعد ہی ان کی تکفیر عمل میں آئی ہے اس کے باوجود ''اور نہ ہم تاویل کرنے والوں کی تکفیر کریں گے'' کہنا کس فکر کا اظہار ہے؟ یہ مذبذبین حضرت شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی کی ''مسئلہ تکفیر اور امام احمد رضا'' یا پھر مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی ہی کی ''اہل قبلہ کی تکفیر'' دیکھ لیتے تو اس تذبذب وتشکیک سے نجات مل جاتی۔

بات صرف ایک واقعہ اور ایک فرد کی نہیں ''کتنے معشوق ہیں اس پردہ زنگاری میں'' کے مصداق ایک مخصوص طبقہ کی ہے جو دانستہ ایسے مسائل چھیڑنے پر کمر بستہ ہے جن سے ماحول میں کشیدگی پیدا ہو۔ چنانچہ سراواں الہ آباد کے جس مدرس نے حسام الحرمین کی تصدیق کے باوجود ''شیخ محمد ذکی ابراہیم مصری'' کی کتاب ''الاربعون حدیثا الحاسمۃ ردعا للطوائف المکفرۃ الائمہ'' کا اردو ترجمہ ''مسلمانوں کو کافر وفاسق قرار دینے والے فرقوں کے رد میں چالیس قوی احادیث'' کے نام سے کیا ہے وہ اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے پھر لکھتے ہیں:

''اس کتاب سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر درست نہیں اگر چہ وہ سخت گناہ میں ملوث ہوں۔۔۔۔۔۔ مسلکی

منافرت اور ایک دوسرے کی تکفیر کی پاداش میں اپنی شان وشوکت کھو چکی امت مسلمہ کے لئے یہ کتاب ایک عظیم نعمت ہے''۔(آگے اسی میں یہ بھی لکھا)۔۔۔۔۔۔یاد رہے کہ اس سلسلہ میں ان کی ایک اور کتاب بنام **اھل القبلۃ ھم موحدون** ہے جو قابل مطالعہ ہے اور لائق استفادہ ہے (خضر رراہ دسمبر ۱۴)

کسی کتاب، مسئلہ اور فتویٰ کی تصدیق کا یہ انداز قارئین نے کبھی نہ دیکھا ہوگا کہ کسی حکم کفر پر تائیدی دستخط بھی ہو اور اپنے ہی قلم سے اس تصدیق کی فخریہ تردید بھی، یعنی ''باغباں بھی خوش رہے راضی رہے صیاد بھی'' جناب خوشتر نورانی صاحب کے الفاظ میں یہ بالکل ''ایک مسلمان اپنی تلوار سے اپنی گردن مار لیتا ہے اور اسے اس تلوار پر خون کا دھبہ بھی نہیں دکھائی دیتا'' (قلم کی جسارت ص ۲۶) والا معاملہ ہے۔ میں یہاں اہل قبلہ کی تکفیر کے حوالہ سے حضور مفتی اعظم ہند کا صرف ایک فرمان بغیر کسی تبصرہ کے نقل کرتا ہوں خدا توفیق دے تو شرح صدر کے لئے یہی کافی ہے حضرت مفتی مجیب اشرف رضوی بانی جامعہ امجدیہ ناگپور اپنی کتاب ''تابش انوار مفتی اعظم'' میں لکھتے ہیں:

''ایک دن ایک صاحب حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے جو دیکھنے میں بظاہر مولوی لگتے تھے اور انکی بات چیت سے ایسا لگا کہ عقیدے کے اعتبار سے تذبذب کا شکار ہیں، متصلب سنی نہیں ہیں، آنے کے بعد کچھ دیر تک خاموش بیٹھے رہے، حضرت قبلہ نے حسب عادت ان سے فرمایا کہ آپ نے کیسے تکلیف کی، انھوں نے عرض کی ایک بات پوچھنے کے لئے حاضر ہوا ہوں، اگر آپ اجازت دیں تو عرض کروں، حضرت نے فرمایا پوچھئے کیا پوچھنا ہے۔

سوال: اجازت پا کر ان صاحب نے کہا کہ ''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اہل قبلہ کی تکفیر سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بھی یہی قول ہے کہ ہم اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے'' اگر یہ صحیح ہے تو علماء اہل سنت مولانا اشرف علی صاحب اور مولانا قاسم نانوتوی صاحب وغیرہ علماء کی تکفیر کیوں کرتے ہیں، یہ لوگ بھی تو اہل قبلہ ہیں؟

جواب: سوال سن کر حضرت والا کی غیرت ایمانی کو جوش آ گیا، آپ نے پر جلال آواز میں ارشاد فرمایا، کہ جو شخص مطلقاً یہ کہتا ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں، خواہ وہ کیسا ہی کفر قبیح وصریح بک جائے، وہ جھوٹا، جاہل، بے باک اور شریعت پر افتراء کرنے والا ہے، شامی جلد چہارم کا صفحہ دو سو ستہتر کھول کر دیکھ لو صاف صاف یہ لکھا ہوا ہے **لَاخِلَافَ فِيْ كُفْرِ الْمُخَالِفِ فِيْ ضَرُوْرِيَاتِ الْاِسْلَامِ، وَاِنْ كَانَ أَهْلُ الْقِبْلَةِ الْمُوَاظِبِ طُوْلَ الْعُمُرِ عَلَى الطَّاعَاتِ** کچھ سمجھے کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کیا فرمارہے ہیں؟ وہ یہ فرمارہے ہیں کہ ضروریات اسلام کے منکر کے کفر میں علماء اسلام میں سے کسی عالم کا اختلاف نہیں ہے اگرچہ وہ منکر اہل قبلہ ہو، جس کی پوری عمر شریعت کی پابندی کرتے ہوئے گذری ہو۔

علامہ شامی علیہ الرحمہ اور دنیا کے تمام علماء اسلام کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک اور سیدنا امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول مقبول معلوم نہیں تھا؟ کہ ان حضرات نے اہل قبلہ منکر ضروریات دین کی تکفیر کو صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب قرار دیا اور فرما گئے، ''مَنْ شَكَّ فِيْ كُفْرِهٖ وَعَذَابِهٖ فَقَدْ كَفَرَ'' جو منکر ضروریات دین کی تکفیر میں اور اس کے عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ (خواہ اہل قبلہ سے ہو یا غیر سے)

کیا مدینہ منورہ کے رہنے والے منافقین جنھوں نے حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست پاک پر اپنا ہاتھ رکھ کر توحید ورسالت کا اقرار کیا اور بہ بانگ دہل اعلان کیا کہ ہم مسلمان ہیں وہ اہل قبلہ میں سے نہیں تھے، کلمہ، نماز، اور روزہ وغیرہ تمام اسلامی کام کرتے تھے، باوجود اس کے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں ان پر حکم کفر لگایا، سنو! قرآن کیا ارشاد فرماتا ہے ''قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ'' (اے منافقو! بلاشبہ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے) اسی لئے خود

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان پر کفر کا حکم عائد کیا، ان کو مسجد نبوی شریف سے نکال باہر کیا، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا مسلمانوں کو مسجد سے نکالا؟ مَعَاذَ اللہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن ، بتاؤ، کیا اللہ و رسول جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کا اہل قبلہ ہونا معلوم نہ تھا مَعَاذَ اللہِ، مَعَاذَ اللہِ، أَسْتَغْفِرُ اللہ، یاد رکھو جو کفر بکے گا اس پر کفر سوار ہو جائے گا، اہل قبلہ ہونا کفر کی بلا سے اس کو ہرگز بچا نہ سکے گا، اگر ایسا نہ ہو تو شریعت سے امان اٹھ جائے، خبیث سے خبیث کفر بکتا جائے اور پھر سچا پکا مسلمان بن کر دندناتا گھومتا رہے، کیا یہی اسلام ہے؟"

اسی لئے حضرت شارح بخاری نے اپنی محققانہ کتاب ''مسئلہ تکفیر اور امام احمد رضا'' میں صاف صاف لکھا ''ان عبارتوں نے بتایا کہ اس پر سبھی کا اجماع ہے کہ اس میں نہ کسی تاویل کی گنجائش ہے نہ کسی تخصیص کی بلکہ کسی قسم کی تاویل یا تخصیص کرنے والا کافر ہے''
اور کتاب کے آخر میں صاف صاف یہ بھی لکھا کہ:

اگر کوئی صاحب مزید تفصیل کے خواہش مند ہوں تو میرا رسالہ ''منصفانہ جائزہ'' مطالعہ کریں مجھے امید ہے کہ اس کے مطالعہ کے بعد جس کے اندر ایمان کی تھوڑی سی بھی رمق باقی ہے تو وہ ضرور بالضرور یہی فیصلہ کرے گا کہ جماعت دیو بند کے اکابر۔۔۔۔نے ضروریات دین کا انکار کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی جس کے بعد ایک مسلمان کے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہیں کہ وہ ان چاروں کو یقینا حتما کافر جانے۔ اس لئے مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کو بدنام کرنا کہ انھوں نے بلا وجہ علماء دیو بند کی تکفیر کی ہے دیانت نہیں بہت بڑی خیانت ہے اصلاح نہیں بہت بڑا فساد ہے'' (۴۸)

اسی قبیلہ فکر سے وابستہ تیسرے صاحب جناب ناصر مصباحی رامپوری بھی ہیں جنہوں نے عمان سے جاری ہونے والے مجموعہ کفریات ''رسالہ عمان'' کا ترجمہ ہی نہیں کیا بلکہ ''عمان اعلامیہ ایک جائزہ'' کے عنوان سے صوفی کانفرنس دہلی (مارچ ۲۰۱۶) میں مقالہ بھی پڑھا جو جام نور (جون ۲۰۱۶) میں شائع ہوا۔ عمان اعلامیہ میں کیا ہے اس کی تفصیل اور اس پر معروضات تو ''الرضا'' شمارہ جولائی اگست ۲۰۱۶ کے اداریہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ مگر اس کا خلاصہ یہاں دیکھیں تا کہ مسئلہ کی تفہیم آسان ہو جائے۔

(۱) مذاہب اربعہ یعنی حنفی، شافعی مالکی، حنبلی، یا مذہب جعفری زیدی اباضی، ظاہری میں سے کسی کا متبع ہے وہ مسلمان ہے اس کی تکفیر جائز نہیں (۲) صحیح فکر سلفی رکھنے والے لوگوں کی تکفیر بھی جائز نہیں (۳) آٹھوں مذاہب کے حاملین اسلام کے بنیادی اصولوں میں متفق ہیں (۴) ان مذاہب کے متبع علما کا اختلاف فروع میں ہے اصول میں نہیں۔"

عمان اعلامیہ کے ان کفریات کی کوئی بھی سنی تائید نہیں کر سکتا، مگر حیرت ہے کہ جناب ناصر مصباحی سے لے کر خوشتر نورانی تک نے اس کی تائید کی اور لکھا:

''امت مسلمہ میں موجودہ انتشار، مسلکی تکفیریت، اور مسلم نوجوانوں میں بڑھ رہے مذہبی تشدد پر پوری دنیا کے نمائندہ اور مشاہیر علما کا ''عالمی اعلامیہ جو مسلم دنیا مذہبی اضطراب اور مسلکی کش مکش کا حل پیش کرتا ہے''

اب بتایا جائے کہ عمان اعلامیہ کی تائید کے بعد بھی کسی کا فکری و نظریاتی تعلق حضور حافظ ملت سے باقی رہ جاتا ہے؟ کیا آج کے ان سرکشیدہ افراد کا علم و فہم جناب ظفر ادیبی صاحب سے بھی زیادہ ہے؟ جنہیں حضور حافظ ملت نے ان کی ''کج فکری و کم فہمی'' کے سبب اپنے ادارہ سے برطرف کر دیا تھا۔ جب ان کی تنی ہوئی گردن عقیدہ کے معاملہ حضور ملت کو پسند نہیں آئی تو اسی عقیدہ و نظریہ کے ساتھ اور کون انہیں محبوب ہو سکتا ہے؟

عقیدہ علم غیب پر ناروا حملہ:

مدرسہ سے یونیورسیٹی کا سفر سب کوراس نہیں آتا کچھ خاص حواس والے ہی اس آزادانہ ہوا اور مخلوط فضا میں اپنی شناخت اور اپنا مذہبی ورثہ بچا پاتے ہیں، وہ خوش نصیب ہیں جنہیں ''درکف جام شریعت درکف سندان عشق'' کا مقام سلوک مل گیا اور ماتم ان پہ ہے جو اس چکا چوند میں ''رفتہ وشار بت پرستے کردی'' کی نذر ہو گئے۔ان ''نذر بتاں'' ہونے والوں ہی کے لئے شریعت نے ''صحبت اغیار'' سے دور ونفور اور ان کی کتابوں کے مطالعہ سے ممانعت کا حکم صادر فرمایا، شیخ سعدی نے بھی ''پسر نوح بابداں بنشست نشان نبوتش گم شد'' فرما کر اسی کی وضاحت کی، اور حضرت مجدد الف ثانی کا فرمان ''بدمذہب بدعتی کی صحبت کا ضرر فساد(کھلے) کافر کی صحبت سے زیادہ تر ہے'' اسی حقیقت کا ترجمان ہے۔اس تعلق سے پاکستان کے شاہ فاروق القادری ہمارے لئے قابل رشک ہیں کہ وہ مکتبہ دیوبند میں پڑھ کر یونیورسیٹی پہنچے، مگر یہاں کی آزادانہ فضاؤں میں مطالعہ کا ردعمل یہ ہوا کہ ان کے قلم سے ''فاضل بریلوی اور امور بدعت'' جیسی مشہور زمانہ کتاب منظر عام پہ آ گئی، جس نے کتنے اذہان پہ بدگمانی کے چھائے میل کو صاف کر دیا۔اب تو یہ المیہ ہی کہا جائے گا کہ مکتبہ دیوبند کی فضاؤں میں پروان چڑھنے والا اعلیٰ حضرت کا عقیدت مند اور ان کی تعلیمات کا ناشر بن جائے اور کوئی سنی مدرسہ میں پڑھنے کے باوجود جماعت کے مسلمات سے منحرف اور اعلیٰ حضرت کے افکار ونظریات کا منکر ہو کر بھی ''کارے کردم'' کا نعرہ لگائے۔جناب ذیشان مصباحی بھی انہیں لوگوں میں ہیں جن کا وہ فکری اثاثہ یونیورسیٹی جاتے ہی لٹ گیا جو سنی مدارس کی پاکیزہ فضاؤں میں انہیں میسر آیا تھا، ایسے لٹے ہوئے کارواں کی محفوظ پناہ گاہ تو ماہنامہ ''جام نور'' ہے ہی، چنانچہ یہ جام نور سے وابستہ ہوئے اور پھر پے در پے کئی ایسے مضامین لکھے جس سے جماعت اہل سنت کی پرسکون فضا میں بھونچال آ گیا اور وہ دن بھی آیا کہ اپنے مضمون ''عقیدۂ علم غیب کا اسلامی مفہوم'' کی آخری قسط میں انہوں نے یہاں تک لکھ دیا:

''انیسویں صدی اور بیسویں صدی کا طویل عرصہ علم غیب پر ان لایعنی بحثوں میں گزر چکا ہے جو حد افراط میں پہنچ کر علم رسالت کا ڈانڈا علم الہی سے ملا دیتی ہے تو حد تفریط میں عظمت افضل الخلق صلی اللہ تعالی علیہ وسلم میں تقصیر اور انکار کا باعث بنتی ہے۔ایکسویں صدی ہمارے لئے محاسبے اور باز دید کی صدی ہے اس صدی میں ہمیں اعتدال وتوازن اور اخلاص وللٰہیت کے ساتھ امت کی اصلاح فکر واعتقاد کے ساتھ ان کے بیچ اتحاد واتفاق کی راہیں تلاش کرنی چاہئے، ایسی دعوت جس میں عظمت توحید بھی سلامت رہے اور عظمت رسالت پر بھی حرف نہیں آئے، خصوصا علم غیب کے تعلق سے ہمیں یہ باور کرنے اور دوسروں کو باور کرانے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر ﷺ کو اولین وآخرین میں سب سے زیادہ علم عطا فرمایا ہے ایسے میں ان کے علم کا ایسا انکار کہ شان رسالت پر حرف آئے یا ایسا اثبات کہ علم الہی سے مساوا کا شائبہ پیدا ہو دونوں ہی غیر اسلامی طرز فکر ہے'' (جام نور ستمبر ۲۰۱۲)

ایک مصباحی کے قلم سے جماعت پر اتنا بڑا افترا؟ اور ملت کی ترجمانی کرنے والے رسالہ ''جام نور'' سے اس کی اشاعت، جائے ماتم نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا علم غیب کے موضوع پہ علمائے اہل سنت اور اور دیابنہ کے درمیان ہونے والی قلمی اور مناظراتی بحثیں ''لایعنی'' تھیں؟ کیا واقعی علمائے اہل سنت نے حد افراط میں پہنچ کر علم رسالت کا ڈانڈا علم الہی سے ملا دیا ہے؟ اس موضوع پر اکابر کی درجن بھر سے زیادہ کتابیں ہوں گی سب اسی حقیقت کی ترجمان ہیں کہ رسول کریم ﷺ کو علم غیب عطائی ہے اور اللہ عزوجل کا ذاتی۔اس کے علاوہ کسی ذمہ دار نے ایسا کچھ نہیں کہا جس سے علم رسالت کو علم الہی سے ملانے کا شائبہ بھی پیدا ہو، آخر وہ بات کیسے کہی گئی جس کا ذکر کسی کتاب میں سرے سے ہے ہی نہیں؟۔۔۔۔۔۔نئی صدی میں علما کو ''اعتدال وتوازن اور اخلاص وللٰہیت کے ساتھ امت کی اصلاح فکر واعتقاد'' کی دعوت دینا بھی

جماعت کے ساتھ بھونڈا مذاق ہے، کیا علمائے اہل سنت کی سو سالہ خدمات ''اعتدال و توازن اور اخلاص و للٰہیت'' سے خالی رہی ہیں؟ مضمون کا اختتام جس جملہ پر ہوا ہے اس نے تو رہا سہا قصہ ہی تمام کر دیا، کیا ''علم کا ایسا انکار ۔۔۔ یا ایسا اثبات'' جملہ میں اثبات وانکار کو 'ایسا'' کے ذریعہ بالکل دو متوازی خانہ میں رکھتے ہوئے دونوں کو یکساں مجرم نہیں گردانا گیا؟ کیا اسی کا نام سنیت اور مصباحیت ہے؟ اگر آپ کی نگاہ میں واقعہ یہی ہے جو آپ نے بیان کیا تو پھر آج تک ''مصباحی'' کا لیبل لگا کر اُس جماعت سے وابستگی دکھانے کی کیا مجبوری ہے، جس کا قدیم ترجمان الجامعۃ الاشرفیہ ہے اور یہ کیسی مصباحیت ہے کہ نمک کھا کر بھی اپنے مادر علمی کی عظمت وحرمت کو تختۂ مشق بنایا جائے۔

سراواں الہ آباد کی ایک متنازع خانقاہ:

رواں صدی کا ایک متنازع موضوع ''خانقاہ سراواں'' الہ آباد کا قضیہ بھی ہے جسے آج تک جماعت اہل سنت کے مشاہیر علما و مشائخ کا اعتبار حاصل نہیں ہو سکا، اس بے اعتباری کی کئی وجوہات ہیں جس کی تلافی خانقاہ سراواں کی ذمہ داری ہے۔ چند افراد کو فرداً فرداً خانقاہ بلا کر ''مخصوص مہمان نوازی'' سے ان ''شبہات'' کی تلافی نہیں ہو سکتی جو مجلہ ''الاحسان'' اور ''خضر راہ'' میں وقفہ وقفہ سے شائع مقالات ومضامین کے سبب پیدا ہوئے، اگر ان رسائل کے مشمولات جماعت اہل سنت کے معتقدات ومسلمات سے متصادم ہیں تو ذمہ داروں کا محتاط رویہ لائق تحسین ہے کہ یہی ان کے منصب رفیع کا تقاضا ہے ہاں یہ پہلو قابل تحقیق ہے کہ ان رسائل اور خانقاہ سراواں میں ایسا کیا ہے جس کے سبب علمائے محتاطین کو یہ قدم اٹھانا پڑا، اس سلسلہ میں ''اہل قبلہ کی تکفیر''، ابن تیمیہ کی حمایت، تقلید سے بیزاری، اقامت کے مسئلہ میں دیابنہ کی پیروی اور اس ''مخصوص وسعت نظری'' کے سبب بعض اطراف سے ان کی ''مشکوک بنانے والی ستائش'' وہ موضوعات ہیں جو اہل سنت کی نجان کا باعث ہیں۔ ارتفاع نزاع کے پیش نظر اس تعلق سے چند مخلصانہ معروضات ملاحظہ کریں:

اہل قبلہ کی تکفیر کے مسئلہ کی حمایت واشاعت:

اہل قبلہ کی تکفیر کے حوالہ سے ماقبل میں جو باتیں مذکور ہوئیں ان کا براہ راست تعلق ''خانقاہ سراواں'' سے ہے کہ شیخ محمد ذکی ابراہیم مصری'' کی کتاب ''الاربعون حدیثاالحاسمة ردعاللطوائف المکفرة الائمه'' کے مترجم جناب ''اصغر علی مصباحی'' وہاں کے مدرس اور ''ماہنامہ خضر راہ'' وہیں کا ترجمان ہے۔ تکفیر کے حوالہ سے یہ فکر ونظریہ صرف مترجم موصوف کا ہی نہیں بلکہ وہاں کے تقریباً تمام وابستگان ہی اس نئی وبا کے شکار ہیں اس لئے کہ جماعت اہل سنت (حسام الحرمین کی تصدیق کرنے والے) کے خلاف بار بار متشدد، شدت پسند، تکفیری ٹولہ کے الفاظ اِن وابستگان کے ذریعہ ہی استعمال کئے گئے ہیں۔ اہل سنت کے خلاف یہ فضا کچھ اس طرح بنائی جا رہی ہے مخالفین جماعت بھی ورطۂ حیرت میں ہیں ان کو بیٹھے بٹھائے ''جعفر اور میر صادق'' والا وہ ٹولہ مل گیا ہے جو اعتدال وسطیت توازن، نئی صدی نئے تقاضے، اہل قبلہ جیسے خوش کن الفاظ کے ذریعہ ان کا کام کر رہے ہیں۔

سننے میں آیا ہے کہ شیخ ابوسعید صاحب نے کئی ماہ پیشتر ''حسام الحرمین'' کی تصدیق کی ہے یہ خبر یقیناً جماعت اہل سنت کے ذمہ داروں کے لئے باعث مسرت ہے کہ انہیں اس کے علاوہ اور غرض بھی کیا ہے کہ جماعت کے مسلمات اور اس کا اتحاد سلامت رہے، اگر یہ خبر صحیح ہے تو پھر ''اہل قبلہ کی تکفیر'' کے نام پر فکری جارحیت پھیلانے والے افراد کا محاسبہ واحتساب ان کی ذمہ داری تھی اور ان کے لئے یہ آسان بھی تھا کہ یہ سب ان کے زیر اثر ہیں۔ مگر اب تک کہیں سے ایسی کوئی خبر نہیں آئی کہ انہوں نے ان افراد کو پابند ضابطہ ہونے کا احکام صادر کیا ہو، ایسے عالم میں اگر جماعت اہل سنت کا حساس طبقہ ان سے کنارہ کش اور اور ان کی خاموشی پر شاکی ہے تو ماتھے پہ شکن نہیں آنا چاہیے۔ کیا اس خاموشی سے نہیں معلوم ہوتا کہ ''حسام الحرمین'' کی تصدیق بھی بغیر وضو کے پڑھی گئی اس نماز کی طرح ہے جس میں خشیت کے بجائے مصلحت کا دخل ہو۔ ان کے ارد گرد جماعت کے مسلمات پہ حملہ کرنے والا جو 'جہادی دستہ'' ہے وہ

بھی ایسا ہی مصدقین کا ہے جو ''نماز شوق تو واجب ہے بے وضو ہی سہی'' پر ایمان رکھتے ہیں، خدا ہی جانے ان کام کرنے والے باصلاحیت افراد کو کن کی نظر لگ گئی۔ خدائے تعالیٰ انہیں اپنے محور و مرکز پہ پلٹنے کی توفیق دے۔

ابن تیمیہ کی حمایت:

ابن تیمیہ کے حوالہ سے جس توسع اور احترام فراواں کا مظاہرہ یہاں کیا جاتا ہے وہ جماعت اہل سنت کے یکسر مخالف ہے، اگر ایک بار اور ایک جگہ کا معاملہ ہوتو اسے اتفاق کہہ لیا جائے مگر یہاں دانستہ اس عمل کا تسلسل ہے چنانچہ الاحسان حصہ ۲ ص ۱۰۷ پر لکھا گیا:

''وہ خشیت زہد وورع سنت کی پیروی بدعت سے اجتناب اعلائے کلمۃ الحق۔۔یہ وہ خصوصیات ہیں جن سے وہ اپنے معاصرین کے درمیان ممتاز اور مشہور ہوئے'' (ص ۱۲۸ پر لکھا) ''شیخ ابن تیمیہ بھی اسلام کے پیروکار اور امت محمدیہ کے اعلام میں سے تھے'' (اور ص ۱۴۴ پر لکھا) ''بعض مسائل میں اپنے اجتہادات پیش کئے اور مجتہد کبھی صواب پر ہوتا ہے اور کبھی خطا پر''

بتایا جائے ابن تیمیہ کو اسلام وسنت کا پیروکار، خشیت وزہد وورع کا حامل، بدعات سے مجتنب، مجتہد وقت، اعلائے کلمۃ الحق کرنے والا مجاہد اور امت محمدیہ کے اعلام میں شمار کرنا جماعت اہل سنت کا موقف ہے؟ جس شخص کے بارے میں جماعت کا موقف ''ضال مضل'' (المعتقد ص ۱۸۸) یعنی گمراہ اور گمراہ گر کا ہو، اسے ان اوصاف کا حامل بتانا، جماعت سے انحراف نہیں تو اور کیا ہے؟ اعلیٰ حضرت ابن تیمیہ کے بارے میں فرمائیں ''متاخرین حنابلہ میں بعض خبثا مجسمہ ہو گئے جیسے ابن تیمیہ اور ابن قیم'' مگر یہی ابن تیمیہ آپ کے یہاں معتمد بھی ہو محترم بھی۔ یاد کیجئے! یہ وہی ابن تیمیہ ہے جن کے بارے میں ڈاکٹر نوشاد چشتی نے لکھا تھا:

''ابن تیمیہ نے اولیائے عظام کو دل کھول کر گالیاں دیں۔۔۔شیخ اکبر کو شیطان امت، امام رازی کو گمراہ اور گمراہ گر، اسی طرح امام غزالی، شیخ صدر الدین قونوی وغیرہ اکابر امت کو دشنام طرازیوں سے نوازا۔۔۔۔حضرت عمر پر بھی رد کیا ہے

(جام نور، جولائی ۲۰۰۳)

اب بھی کہیں گے کہ محتاط علمائے اہل سنت کا عمل آپ کے تعلق سے تشدد پر مبنی اور اعتدال و وسطیت سے پرے ہے؟

تقلید سے بیزاری:

واضح رہے کہ ابن تیمیہ غیر مقلدین کے پیشوا اور ان کے امام و مجتہد ہیں ''دعوی عدم تقلید کے باوجود'' ان کے ہر مسئلہ کی تان یہیں آکر ٹوٹتی ہے، جامعہ ابن تیمیہ کے نام سے ان کا یک بڑا ادارہ بھی ہے، ایسے فرد سے فکری تعلق کا جولازمی اثر ہوگا وہ تقلید سے بیزاری کا ہی ہوگا اس حوالہ سے بھی خانقاہ سراواں کا دامن ان کی اپنی تحریرات کی روشنی میں بہت صاف نہیں ہے۔ چنانچہ شیخ صاحب کی مثنوی ''نغمات الاسرار'' کے شارح ذیشان مصباحی اس مثنوی کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

حضرت کی شخصیت ایک جہت سے شاہ ولی اللہ محدث دہلی کی سی ہے تو دوسری طرف جب فقہ وافتا کی بات آتی ہے تو کبھی کبھی نگاہ کوتاہ بیں کو تقلید کی زنجیریں ٹوٹتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں'' (نغمات الاسرار، ص ۲)

چند سطر بعد دوسروں کو ''نگاہ کوتاہ بیں'' کا الزام دینے والے خود ہی لکھتے ہیں ''وہ حنفی ہیں مگر ان کی تقلید میں جمود نہیں ہے'' اب دونوں قضیوں کو جوڑ دیں تو یہی ثابت ہوگا کہ ''چوں کہ ان کی تقلید میں جمود نہیں ہے اس لئے تقلید کی زنجیریں وہاں ٹوٹتی ہیں'' اب مقلد ہو کر بھی تقلید کی زنجیریں توڑ نا دین کی کتنی بڑی خدمت ہے، قارئین ہی فیصلہ کریں۔ ویسے دنیا کا ہر غیر مقلد ابتداً کسی نہ کسی امام کا مقلد ہی رہا ہے محمد بن عبد الوہاب نجدی سے ابن تیمیہ تک کی تاریخ دیکھ جائیے سب مقلد ہی ملیں گے، شیخ صاحب بھی کبھی کٹر مقلد رہے ہوں گے مگر اب ''ان کی تقلید میں جمود نہیں ہے'' اس سے جماعت کے ذمہ داروں کا بے چین ہونا بے معنیٰ نہیں ہے، خصوصا اس تناظر

میں جب مروجہ تقلید کو ''کورانہ تقلید'' (نغمات الاسرار ص ۱۱۴) کہا جا رہا ہو۔ تقلید سے متعلق شیخ صاحب کی اسی ''وسعت نظری'' کا تقاضا ہے کہ وہ مقلدین کو امام معین کی تقلید سے بیزاری کا درس دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس طرح کا سوال ہی کیوں پیدا ہو کہ چاروں فقہ مذاہب میں سے کسی کے پیروکار کی نماز دوسرے کی اقتدا میں ہوگی یا نہیں؟ یہ باطن کا فساد ہے۔ ورنہ چاروں مذاہب اہل حق کے ہیں اور ان کی بنیاد بھی قرآن وسنت ہے تو پھر نماز کیوں نہیں؟ افسوس ہے ایسے علم اور صاحبان علم پر جنہوں نے رحمت کو زحمت بنا دیا ہے، نعمت کو عذاب قرار دے دیا ہے اور متقی صالح انسانوں پر فاسق سا حکم عائد کر دیا ہے ''

اب اس سادگی پہ کوئی مر جائے تو حیرت کیا کہ جس شیخ صاحب کو ''شارح نغمات'' شاہ ولی اللہ کی طرح'' کہہ رہے ہیں، وہ امام معین کی تقلید کو واجب قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں **وکان ھٰذا وھوالواجب فی ذالک زمان** یعنی اب اس وقت یہی واجب ہوا۔ اور اسے ایک راز بتاتے ہوئے مزید فرماتے ہیں **وبالجملہ فالتمذھب للمجتھدین سر الھمہ اللہ تعالیٰ العلما وجمعھم علیہ من حیث یشعرون اولا یشعرون** (یعنی خلاصہ کلام یہ کہ ایک مذہب کا اختیار کر لینا ایک راز ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے علما کے قلوب میں القا فرمایا) یعنی شیخ سراواں جس کام کو ''رحمت کو زحمت بنانے والا، نعمت کو عذاب بنانے والا اور متقی وصالح انسانوں پر فاسق کا حکم لگانے والا'' فرما رہے ہیں۔ شاہ صاحب کے یہاں وہ عمل واجب بھی ہے اور اللہ سبحانہ کا القا بھی اب بتایا جائے، شاہ صاحب جس عمل کو لازم قرار دیں اسے ''باطن کا فساد، زحمت، عذاب کہنا'' وسطیت واعتدال ہے یا تقلید بیزاری؟

تقلید شخصی کے خلاف مہمل اعتراض کا سلسلہ یہیں ختم نہیں، وہ ایک حنفی کے جذبہ تقلید کو کس طرح مشق تنقید بناتے ہیں ملاحظہ کیجئے:

''افسوس ایک حنفی نماز تو چھوڑ سکتا ہے مگر کسی شافعی یا حنبلی کی اقتدا نہیں کر سکتا! تعجب ہے کہ تم اپنے اصولوں کا دوسروں کو پابند بناتے ہو، جب کہ ان کے پاس بھی قرآن وسنت سے مستنبط اصول موجود ہیں جن کو تم بھی برحق کہتے ہو بتاؤ تم تضاد بیانی کے شکار نہیں ہو؟ زبان سے برحق مانتے اور دل سے باطل قرار دیتے ہوئے، قولاً حق گردانتے ہو اور فعلاً اس کا بطلان کرتے ہو کیا یہ نفاق خفی نہیں ہے؟ (ص ۴۳)

انداز تخاطب میں کتنی تقلید بیزاری ہے قارئین محسوس کریں اور اس مفروضہ کو سادہ لوح مقلد مسلمانوں کے دلوں میں اتارنے کا ایک ہنر بھی دیکھیں، فرماتے ہیں:

''فقہی اصولوں کے اختلاف کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ایک شافعی حنفی کی اقتدا میں اور ایک حنفی شافعی کی اقتدا میں نماز ادا نہیں کرتا خواہ امام اپنے زمانہ کا متقی، صالح اور ولی اللہ ہی کیوں نہ ہو؟ بتاؤ کہ اگر حنفی یا شافعی کو غوث اعظم کی اقتدا میں نماز ادا کرنے کا موقع میسر آئے تو کیا کرے گا ان کی اقتدا میں نماز ادا کرنے کو اپنی سعادت مندی جانے گا یا یہ کہے گا کہ آپ کی غوثیت قبول، مگر میں حنفی یا شافعی ہوں اور مذہباً حنبلی ہیں اس لئے آپ کی اقتدا میں میری نماز نہ ہوگی؟''

شیخ صاحب نے فقہی اختلاف کو خود کتنا سمجھا ہے یہ بتانے کی جرأت تو میں نہیں کر سکتا مگر اتنا عرض کرنا ضرور چاہوں گا کہ یہ وہی مسئلہ ہے جو سن ۱۳۰۹ھ میں غازی پور سے جہانگیر صاحب نے اعلیٰ حضرت قبلہ سے پوچھا تھا سوال تھا ''زید دو چار کتابیں اردو کی دیکھ کر چاروں اماموں کے مسئلے اخذ کرتا ہے اور اپنے او پر ائمہ اربعہ سے ایک تقلید واجب نہیں جانتا۔ (اس کا کہنا ہے کہ)۔۔۔ چاروں اماموں کے مسئلے اخذ کرنے میں کل دین محمدی پر بخوبی عمل ہو سکتا ہے'' اس کے جواب میں آپ نے رسالہ ''**النیر الشھابی علی تدلیس الوھابی**'' قلم بند فرمایا، جو بار بار مختلف مکتبوں سے چھپا۔ شیخ صاحب کے بیان اور جہانگیر صاحب کے سوال میں صرف

اندازِ بیان اور لفظوں کا فرق ہے مقصود و مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی اور فرق ہے تو یہ کہ ۱۲۸ رسال قبل جہانگیر صاحب نے یہ سوال غیر مقلدین کے خلاف کیا تھا آج شیخ صاحب کا فرمان ان کی حمایت میں ہے۔ شیخ صاحب نے پہلو بدل بدل کے جس طرح امام معین کی پیروی کرنے کے سبب حنفیوں کو ''نفاق خفی اور تضاد بیانی'' کا شکار بتایا ہے اور ہر مسلک پہ عمل کرنے کی تلقین کی ہے اس کے جواب میں اپنی طرف سے کچھ کہنے کے بجائے کہ یہ ''چھوٹا منھ اور بڑی بات'' ہوگی صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ کی تحریر حاضر کرتا ہوں جو اسی ''النیر الشھابی علی تدلیس الوھابی'' کے اخیر میں ہے، اعلیٰ حضرت کے اس علمی جواب کے بعد صدر الشریعہ کی یہ تحریر نفس مسئلہ کی ایسی واقعاتی تسہیل ہے جو اپنی مثال آپ ہے:

''غیر مقلد صاحبوں کے پرانے پیشوا داؤد ظاہری کے نزدیک تو بیوی کی بیٹی (جو دوسرے شوہر سے ہو) حلال ہے جب کہ اپنی گود میں نہ پلی ہو یوں غیر مقلدہ نے اپنے سوتیلے باپ غیر مقلد سے نکاح کرلیا پھر دن چڑھے ایک دوسرے غیر مقلد تشریف لائے اور اس عورت سے فرمایا کہ یہ نکاح باجماع ائمہ اربعہ باطل محض ہوا تو ہنوز بے شوہر ہے اب مجھ سے نکاح کرلے غیر مقلدہ بولی کہ ہمارے مذہب کے تو مطابق ہوا ہے اس پر وہابی مولوی نے بکمال شفقت فرمایا بیٹی ایک مذہب پر جمنا نہ چاہئے، اس میں شریعت پر عمل ناقص رہتا ہے بلکہ وقتاً فوقتاً ہر مذہب پر عمل ہو کہ ساری شریعت پر عمل حاصل ہو، غیر مقلدہ بولی کہ اچھا نکاح کو تو گواہ درکار ہیں وہ اس وقت کہاں، کہا اے نادان لڑکی! مذہب امام مالک میں گواہوں کی حاجت نہیں، میں اور تو اس پر عمل کر کے نکاح کرلیں پھر بعد کو اعلان کردیں گے، چنانچہ یہ دوسرا نکاح ہوگیا دوپہر کو تیسرے غیر مقلد صاحب تشریف لائے، کہ لڑکی تو اب بھی بے نکاحی ہے ائمہ ثلٰثہ کے نزدیک اور خود حدیث کے حکم سے بے گواہوں کے نکاح نہیں ہوتا حدیث میں ایسوں کو زانیہ فرمایا، میں دو گواہ لے کر آیا ہوں، مجھ سے نکاح کرلے اس نے کہا اس وقت میرا ولی موجود نہیں، وہابی مولوی نے کہا تو نہیں جانتی ہے کہ حنفی مذہب میں جوان عورت کو ولی کی حاجت نہیں، ہم اس وقت مذہب حنفی کا اتباع کرتے ہیں، اس پارسا کو تو ساری شریعت پر عمل کرنا تھا، لہٰذا یہ تیسرا نکاح کرلیا تیسرے پہر کو چوتھے غیر مقلد آدھمکے کہ بیٹی تو اب بے شوہر ہے حدیث فرماتی ہے کہ بے ولی کے نکاح نہیں ہوتا، اور یہی مذہب امام شافعی وغیرہ بہت ائمہ کا ہے، میں تیرے ولی کو لیتا آیا ہوں کہ اب شرعی نکاح مجھ سے ہوجائے، اس نے کہا تم میرے کفو نہیں، نسب میں بہت گھٹ کر ہو، کہا تیرا ولی راضی ہے تو بھی راضی ہوجا کہ غیر کفو سے نکاح اکثر ائمہ کے نزدیک جائز ہے، اسے تو پوری شریعت پر چلنا تھا غرض چوتھا نکاح ان سے کیا نچوڑ کے وقت دو گھڑی دن رہے پانچویں غیر مقلد بڑے تزک سے چمکے کہ بیٹی تو اب بھی کنواری ہے، ہمارے بڑے گرو ابن عبدالوہاب نجدی و ابن قیم و ابن تیمیہ سب حنبلی تھے، حنبلی مذہب میں غیر کفو سے نکاح صحیح نہیں اگرچہ عورت و ولی دونوں راضی ہوں یہ چوتھا تیرا کفو نہ تھا اب مجھ سے نکاح کر، غیر مقلدہ سجدہ شکر میں گری کہ خدا نے چار ہی پہر میں پانچوں مذہب کی پیروی دے کر ساری شریعت پر عمل کرادیا یہ کہہ کر پانچویں بار اس سے نکاح کرلیا۔

حضرت صدر الشریعہ اس کے بعد تفریحاً فرماتے ہیں کہ:

''اب وہابی صاحب فرمائیں کہ وہ وہابیہ ایک کی بیوی ہے یا پانچوں کی اگر ایک کی ہے تو باقیوں کو اس ایک ہی مذہب کی پابندی پر کس آیت یا حدیث صحیح نے مجبور کیا وہ کیوں نہیں مذاہب مختلفہ پر عمل کر کے اسے دوسروں کے لئے غیر محصنہ اور ہر ایک اپنی نہیں سمجھ سکتے؟ اور وہ بے چاری وہابیت کی ماری کیوں پوری شریعت پر عمل سے روکی جارہی ہے؟ اور اگر ہاں اجازت ہے کہ

لامذہبی کی بدولت پانچوں صاحب اسے اپنی بیوی جانیں اور پارسانازنین پوری شریعت پر عمل کرنے کو ہر شوہر کی باری میں ظاہری مالکی حنفی شافعی حنبلی پانچوں مذہب پر عمل کرتی کراتی رہے۔۔۔کہو یہ کون دھرم ہے لاحول ولاقوۃ الاباللہ"

علیمی برادران کا رویہ:

اس معاملہ میں علیمی حضرات کا کردار بھی حیرت ناک ہی نہیں المناک ہے، جناب ضیاالرحمٰن علیمی اور جناب مجیب الرحمٰن علیمی نے الاحسان ۱، ۲، ۳ میں ایسے مضامین لکھے ہیں جن سے غیر مقلدین کے موقف کی تائید ہوتی ہے چنانچہ ضیاالرحمٰن علیمی صاحب نے الاحسان شمارہ ۲ میں ابن تیمیہ اور شمارہ ۳ رمیں ابن قیم کی تعریف کی ہے۔ یہ تعریف ان کے شیخ صاحب کے نظریات سے کتنی قریب ہے قارئین محسوس کر سکتے ہیں۔ مجیب الرحمٰن صاحب نے الاحسان شمارہ ا رمیں اپنے مضمون "خانقاہ صوفیہ تاریخ اور کارنامے" میں غیر مقلدین کے عمل "قرأۃ خلف الامام" کو حضرت محبوب الٰہی کے حوالہ سے ایسا پیش کیا ہے جیسے یہی عمل حدیث کے مطابق ہے اور اس کے برخلاف عمل ترک حدیث کا موجب۔ علیمی صاحب کا انداز دیکھئے:

"انہوں نے قول امام پر عمل کرنے سے زیادہ بہتر قول رسول پر عمل کرنے کو خیال کیا اور یہ معمول اس سلسلہ میں آج تک چلا آرہا ہے، صوفی حکیم ہوتا ہے مقاصد شریعت پر اس کی نگاہ ہوتی ہے، کشف کی بنیاد پر بعض مسائل میں منفرد ہوتے ہیں"

ان کی اس فکر کے خلاف جناب مولانا عبدالمبین نعمانی نے اپنے خدشہ کا اظہار کیا جو الاحسان کے شمارہ ۲ رمیں شائع ہوا، نعمانی صاحب نے کیا لکھا ملاحظہ کیجئے:

"حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیا جس وجہ سے بھی "قرأۃ خلف امام" کے قائل رہے ہوں مگر اس کی بہتر حال صحیح طریقے سے نہیں کی گئی۔ پھر آگے چل کر کشف کو بھی بنیاد بتایا گیا ہے اگر کشف پر اعمال کا دارومدار رکھا جائے تو پھر جتنے کشوف ہوں گے اتنے ہی مسالک جنم لیں گے۔۔۔۔۔لہٰذا اس کی وجہ سے قول امام کو رد نہیں کیا جاسکتا، اولیا اللہ نے کشف کو فقہیات میں بنیاد بھی نہیں بنایا اور نہ بتایا ہے، لہٰذا اس قسم کی باتوں سے پرہیز کیا جائے۔ صوفی حکیم ہوتا ہے مقاصد شریعت پر اس کی نگاہ ہوتی ہے یہ جملہ بھی اس بات کا غماز ہے گویا ائمہ مجتہدین حکیم نہیں ہوتے اور ان کی نظر مقاصد شریت پر نہیں ہوتی، جب کہ یہی فقہاو مجتہدین کا طرۂ امتیاز ہے"

ان اقتباسات سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ شیخ صاحب کے مصاحبین دراصل ان کی غیر مقلدیت نوازی کے ماحول ساز ہیں، جمع بین صلاتین، قراۃ خلف الامام، ابن تیمیہ کی تعریف، ابن قیم کی تعریف اور امام معین کی تقلید کا مسئلہ سب اسی فکر کے گرد طواف کرتے ہوئے مسائل ہیں۔ جن پر ان کے یہاں خوب مقالے چھپ رہے ہیں۔ اب اتنا کچھ ہونے کے بعد بھی ان سے "دامن کش" ہونے والا مجرم ہو تو "جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے" کے سوا کیا کہا جائے۔

سرواں کی مدحت سرائی کا راز:

سراواں اور وہاں کے سربراہ کی اسی نظریاتی وسعت کے سبب اس نظریہ کے حامل افراد نے ان کی واہ واہی کی چنانچہ جامعہ ازہر مصر کے شیخ محمد احمد الحذری لکھتے ہیں: "ہندوستان میں اہل سنت کا ایک طبقہ بہت متشدد ہے شیخ ابوسعید اعتدال ووسطیت کے نمائندہ ہیں" اور پروفیسر اختر الواسع نے کہا:

"اس رسالہ کی نمایاں خوبی تو یہ ہے یہ خالص خانقاہی مزاج یعنی وسیع المشربی اور کشادہ دلی کی زندہ تصویر ہے اس میں نہ خاص مکتبہ فکر کی ترجمانی ہوتی ہے اور نہ کسی خاص گروہ کی اجارہ داری، بلکہ اس کے لکھنے والوں میں اتنا تنوع ہے کہ کسی

رسالہ کے لکھنے والوں میں اتنا تنوع اور اتنی فکری جہت نہیں ملے گی اس میں مختلف مسالک اور مختلف رجحانات کے نمائندہ اہل علم ودانش کی متوازن اور اچھی تحریریں ایک جگہ مل جاتی ہیں'' (الاحسان ۴، جام نور دہلی جون ۱۳)

اب اس حقیقت سے کون انکار کرے گا کہ ان دونوں تحریروں نے یہ واضح کر دیا کہ سرواں جس فکری جہات کا حامل ہے وہ جماعت اہل سنت نہیں ہے کہ جماعت تو معاذ اللہ بقول شیخ الخذری ''بہت متشدد ہے''، مگر ''شیخ ابوسعید اعتدال ووسطیت کے نمائندہ'' واضح رہے کہ یہاں اعتدال ووسطیت فرد کے مقابلہ میں نہیں بلکہ ''طبقہ'' کے مقابلہ میں ہے، اس لئے لازما یہ ماننا پڑے گا کہ شیخ صاحب جماعت کے مقابل ہیں موافق نہیں۔ پروفیسر اختر صاحب بھی ''کسی خاص گروہ کی اجارہ داری نہیں'' اور ''کسی مکتبہ کی ترجمانی نہیں'' فرما کر شیخ ابوسعید، اور ان کے وابستگان کا ''تفرد'' ہی بیان کر رہے ہیں یہی بات اگر جماعت اہل سنت کوئی دردمند کہے تو ''تشدد'' اور اغیار کہیں تو ''تفرد'' کیا اسی کا نام اعتدال وسطیت ہے؟

آخری گزارش:

گزشتہ اوراق میں نوجوان نسل کی جرأت بے جا اور خانقاہ سراواں کے حوالہ سے جو کچھ عرض کیا گیا وہ ان سانحات کی چند جھلکیاں ہیں جو سماج میں ناسور بن کر پنپ رہی ہیں، اہل قبلہ کی تکفیر، ائمہ غیر مقلدین کی تعریف، اور غیر مقلدیت کو استحکام فراہم کرنے کے حوالہ سے جام نور، خانقاہ سراواں اور ان دونوں مراکز سے وابستہ ''علیمی ومصباحی'' برادران نے اپنا جو نظریہ پیش کیا ہے وہ جماعتی موقف سے انحراف اور بغاوت کے سوا کیا ہے، قارئین ہی فیصلہ کریں۔ ان دونوں مدارس کے ذمہ داران کے لئے یہ لمحہ فکریہ ہے کہ وہ ان افراد کی بے راہ روی کا محاسبہ کیسے کریں، اگر آج اس مسئلہ کو سنجیدگی سے نہیں لیا گیا تو فکری بے راہ روی کا یہ سلسلہ دراز سے دراز ہوگا اور پھر اس پر قابو پانا مشکل ہو جائے گا۔ مسئلہ آج کے چند افراد کا نہیں، اس فکر کا ہے جسے ایک مضبوط پناہ گاہ مل گئی ہے اور فرقہ باطلہ کے افراد ان کی تحسین وتائید کے ذریعہ مرکز سے ان کا رشتہ کمزور سے کمزور تر کر رہے ہیں۔ ان افراد کے بے باکانہ حرکت وعمل سے جماعت اہل سنت کی دو بڑی درسگاہوں کی حرمت وعظمت اور ان کا وقار خطرے میں ہے، یہ نہ وہاں کے ذمہ داروں کو قبول ہوگا اور نہ ہم جیسے وابستگان کو۔ ساتھ ہی اس مسئلہ کو بھی سنجیدگی سے لینا ہوگا کہ جب مرکز سے ان افراد کا فکری رشتہ ہی باقی نہیں رہا تو پھر ''مصباحی وعلیمی'' لکھنے کا جواز کہاں رہ جاتا ہے۔

اگر کسی ذہن میں خلش پیدا ہو رہی ہو کہ افہام وتفہیم اور احتساب وسرزنش کا یہ عمل اخبار ورسائل کے بجائے بند کمرے میں ہونا چاہیے تو ان سے مودبانہ یہی عرض کروں گا کہ جماعت اہل سنت کے خلاف یہ نظریات ''خلوت میں'' میں نہیں ''جام نور دہلی''، ''خضر راہ'' سراواں، اور ''الاحسان'' سراواں کے ذریعہ عام کئے جا رہے ہیں، اب اگر احتساب واحتجاج کا یہ عمل بند کمرے میں ہو تو اس سے اس فتنہ کا سد باب کیسے ہوگا جس نے ملک سے باہر تک جماعت اہل سنت کے خلاف ماحول بنایا ہے۔ اس لئے ہمارے کرم فرما حضرات ان معروضات پہ چیں بہ جبیں ہونے کے بجائے جو کچھ کہا گیا ہے اس پر ٹھنڈے دل سے ایک بار غور فرمالیں اب بھی کوئی جرأت اور خلاف واقع بات معلوم ہو تو وہ مجھے مدلل اور معتمد حوالوں سے قائل کریں، میں اپنے تجزیہ پر ازسر نو غور کرنے کے لیے تیار ہوں۔

□□□

تاثرات

قارئین کے تاثرات

''الرضا'' روح اعلیٰ حضرت کی فریاد ہے!

مفتی ناظر اشرف قادری ناگپور
بانی دار العلوم اعلیٰ حضرت، ناگپور

محب پر خلوص ڈاکٹر امجد رضا صاحب کے دوماہی ''الرضا انٹرنیشنل'' کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا۔ دونوں رسالے کے مندرجات احقاق حق وابطال باطل میں لاجواب ہیں۔

بالخصوص ڈاکٹر صاحب کے اداریئے پڑھنے کے بعد جس نتیجے پہ پہونچا، وہ یہ کہ ان کا قلم جن مہمات کی تسہیل پر جو نقطے متعین فرما دیتا ہے، اسی کے ارد گرد حق و باطل طواف کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ ان کے قلم سیال کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ ذہن میں کھینچے ہوئے خطوط پر بڑے ہی دلربا انداز میں قلم کو جنبش دیتے ہیں، اور پھر قلم ''ن **والقلم وما یسطرون**'' کی تجلیاں بکھیرتے ہوئے روضۂ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دہلیز پر پہونچا کر سوزش عشق پیدا کر دیتا ہے۔ ع

اے عشق تیرے صدقے جلنے سے چھٹے سستے

مارچ اور اپریل ۲۰۱۶ء کے شمارے کا اداریہ، پڑھیئے ''تحریک ندوہ سے تحریک جام نور تک'' انہوں نے جن شواہد کی روشنی میں ''جام نور'' کے ایڈیٹر صاحب کا محاسبہ فرمایا ہے اور جام نور کے جن مشمولات ومندرجات پر سنجیدگی سے غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے۔ ''مثلاً جماعت اہل سنت پر جام نور کی نوازشات''، ''دارالافتاء کی بے حرمتی! علمائے اہل سنت کا استہزاء! طلبہ، مدارس اور نو فارغ علماء کا تمسخر!''

یہ وہ حقائق ہیں جو چیخ چیخ کر صدائیں دے رہی ہیں کہ جام نور کے ایڈیٹر اور ان کے ہم مشرب حضرات نے ''جام نور'' کے نام پر کچھ اور ہی اپنے قارئین کے لبوں سے قریب تر کئے ہیں۔

صرف لسانیات پر مہارت پیدا کر لینے سے نہ کوئی فیثاغورس وفرفوریوس ہوسکتا ہے۔ نہ سقراط و بقراط کا مقام حاصل کر سکتا ہے، نہ صرفی ونحوی ہوسکتا ہے، نہ منطق وفلسفہ کی ہوا اُن کو لگ سکتی ہے، نہ مفسر قرآن ہوسکتا ہے اور نہ فقاہت کے دروازے پر دستک دینے کے قابل، نہ حدیث رسول انام کے مطالب تک صحیح رسائی ہوسکتی ہے اور نہ ہی قرآن فہمی کا جذبہ موجزن ہوسکتا ہے۔ خوشتر صاحب کی خوش اخلاقی کو میں بھلا نہیں سکتا۔ وہ بغیر کہے سنے مدتوں تک میرے نام ''جام نور'' جاری رکھا، مگر مجھ عدیم الفرصت کو فرصت کہاں؟ کہ بالاستیعاب ان کے جام کا گھونٹ نوش کرتا۔ چند مضامین پڑھے ہونگے، اس کے بعد اکثر مضامین سے وحشت ہونے کی وجہ سے میرا زندہ ضمیر اس کی طرف ملتفت نہ ہوا۔

بہرحال ''تحریک ندوہ سے تحریک جام نور تک'' کے اداریہ میں جن حقائق پر ڈاکٹر صاحب نے قلم کی جولانی دکھائی ہے۔ اور دونوں تحریکوں کا ''حد مشترک'' ثابت فرماتے ہوئے تجزیاتی امور کو اربعہ متناسبہ میں دائر کر کے حقائق سے چلمن اٹھا دیا ہے۔

اور منتہائے گزارش کے پر کشش جملے ڈاکٹر صاحب کی روحانی تڑپ قلبی اضطراب، اور مسلکی تصلب کا جیتا جاگتا ترجمان ہے۔ بس اب دیر کیا ہے؟ ع یہاں مرنے پہ ٹھہرا ہے نظارہ تیرا۔ خوشتر صاحب! یہ صرف ڈاکٹر صاحب کی قلبی واردات کی صدا نہیں۔ بلکہ کان جدھر لگائیے۔ وہی آواز سنائی دیگی۔ میری بھی پر خلوص گزارش ہے کہ روز جزاء کا خوف کرتے ہوئے اپنے خاندان کی ریت پر آجائیے۔ اور اپنے جدین کریمین کی

روحانی بے چینی کو دور فرما کر سعادت دارین حاصل کر لیجئے!

الف: میں ''الرضا انٹرنیشنل'' کے قارئین کرام کو یہ پیغام حق دیتا ہوں کہ رس گھولتے ہوئے جملے، اور کھنکتے ہوئے الفاظ سے دل جیت لینا کسی رسالہ کی اس وقت جان ہوتی ہے، جب رسالہ مخزن معنویت ہو، منبع رشد و ہدایت ہو، مسلک اعلیٰ حضرت کی ترجمانی کا صحیح حق ادا کرے اور موضوعات میں عوارض ذاتیہ ہی مبحوث عنہا ہو، میں نے دو ماہی ''الرضا'' پڑھا۔ محسوس کیا کہ اس رسالہ میں جامعیت بھی ہے، مانعیت بھی ہے، معنویت بھی ہے، کرم و نوازشات کی برسات بھی، حق کی طرف رجوع کے سوغات بھی، رشد و ہدایت کا شاہکار بھی، اور مسلک اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا بیباک داعی بھی، سبھی کچھ تو ہے، تو پھر یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ الرضا روح اعلیٰ حضرت کی فریاد ہے۔

ب: رسالہ و جریدہ وہی کامیاب ہے، جو نقطۂ پرکار حق یعنی امام احمد رضا قدس سرہ کی تحقیقات بازغہ و تدقیقات انیقہ کی امین ہوں صرف تھرمامیٹر لیکر نوخیز اردو داں کی اردو جانچ کر لینے سے کسی رسالہ کا معیار بلند نہیں ہو جاتا۔ جب تک رسالہ یا جریدہ کی ٹیم ''محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم'' کی تہہ تک پہونچ کر اس سے گوہر ہائے آب دار حاصل کر کے شرح صدر کے ساتھ صفحۂ قرطاس کی زینت نہ بنائے۔ دو ماہی ''الرضا'' اس حقیقت کا غماز ہے کہ ان کا نقطۂ پرکار حق امام احمد رضا کی تعلیمات ہیں، جو قرآن و احادیث اور فقہ حنفی کی زندۂ جاوید مثالیں ہیں انہیں تعلیمات کو وہ مسلمانان ہند و بیرون ہند کے مضغہائے قلوب کی دھڑکنیں بنانا چاہتے ہیں۔

ج: شریعت مطہرہ کے نزدیک اس رسالہ کی حیثیت تار عنکبوت سے بھی زیادہ کچھ نہیں ہوتی جس رسالہ میں جماعت اہل سنت پر نوازشات کرنے لگیں، سنی دارالافتاء کی بے حرمتی پر اتر آئیں، علماء اہل سنت کا مذاق بنانا ان کا مزاج بن جائیں، طلبۂ مدارس اور نو فارغ علماء کا تمسخر کر کے خود مسخرہ بن جائیں، لیکن میں دعویٰ کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ ''الرضا'' رسالہ کے موجد کی رگوں میں جو خون دوڑ رہا ہے، بیشک وہ خون تو خود انہی کا ہے، لیکن اس خون میں جو حرارت ہے، وہ عشق رضا کا لباس پہن لیا ہے، یہ سب عطیہ ہے سرکار تاج الشریعہ سے انسیت قلبی کا! لہٰذا قارئین کرام عصر حاضر کے اس بے مثل و بے نظیر رسالہ کو زندہ رکھنے کے لئے حتیٰ المقدور جہد پیہم میں لگے رہیں۔

د: ڈاکٹر صاحب کی جسارت و حق گوئی پر داد و تحسین دیتے ہوئے یہ ضرور کہونگا کہ ڈاکٹر صاحب نے جن کے گرد راہ کو اپنی آنکھوں کا چین اور قلب کا سرور بنایا ہے یہ وہی ذات قدسی صفات ہے، جن کو دنیائے اسلام تاج الشریعہ کہتی ہے۔ ازل میں ہی خدائے لم یزل ولا یزال نے سرکار تاج الشریعہ کو پندرھویں صدی کے چار دہائیوں میں حق و صداقت کی ضیائیں بکھیرنے کے لئے مقرر فرما دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تاج الشریعہ دنیائے اسلام کو جو پیغام دے رہے ہیں، اگر ان پیغاموں میں امام احمد رضا قدس سرہ کے عشق و معرفت کا بحر ذخار موجزن نہ ہوتا، طلب دنیا کی حرص کا ادنیٰ شائبہ بھی ہوتا، خلوص و للّٰہیت کا وجود نہ ہوتا، شہرت طلبی کا عنصر موجود ہوتا، اور تطہیر ملت کی پاسداری کا جذبہ ٹھاٹھیں نہ مارتا، ناخن برابر ہوا و ہوس کی ہلکی سی رمق بھی ہوتی، تو یقین مانئے۔ پندرھویں صدی کے اوائل میں ہی مسلک اعلیٰ حضرت کا خون ہو جاتا۔ آج امصار و اقطار عالم میں سحاب عشق رسالت پناہی علیہ الصلوٰۃ والسلام بن کر جو برس رہے ہیں۔ اسی نائب غوث الوریٰ رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ کے تقاطر امطار کی طرح رم جھم برسن کی چھینٹوں کا اثر ہے کہ ڈاکٹر امجد رضا صاحب اور ان کی پوری ٹیم مسلک اعلیٰ حضرت کے تحفظ و بقاء کے لئے جگر کا خون بہانے کو تیار ہو گئے ہیں۔ لہٰذا ''الرضا انٹرنیشنل'' کے قارئین ملت بیضاء کی حفاظت و صیانت کی خاطر امکانی طور پر دست تعاون دراز فرمائیں۔ جس سے ''الرضا'' کو بقائے دوام مل سکے۔ یہی میرے قلب کی آواز ہے اور یہی میرا پیغام۔

□□□

اگر علامہ ارشد القادری زندہ ہوتے

مولانا غلام رسول بلیاوی
صدر ادارہ شرعیہ بہار

جناب ایڈیٹر صاحب!

الرضا کے کئی شمارے مطالعہ میں آئے، ہر شمارہ کے مطالعہ

کے بعد طبیعت چاہی کہ آپ کو مبارک بادی کا خط لکھوں، مگر مصروفیات اتنی تھیں کہ چاہ کر بھی میں یہ کام نہیں کر پایا۔ پارلیامنٹ کے ممبر ہونے کی حیثیت سے دہلی اور پٹنہ کی جو الجھنیں تھیں اب وہ سمٹ کر صوبہ تک آگئی ہیں، یہاں کے جو الجھے ہوئے مسائل ہیں اسے دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ شاید قدرت نے ادارہ شرعیہ اور مسلمانان بہار وجھارکھنڈ کے مسائل کی طرف توجہ دینے کے لئے مجھے مہلت دی ہے دعا کریں میں اپنے اس امتحان میں کامیاب ہوسکوں، اس کے لئے میں نے ''قومی اتحاد مورچہ'' کے نام سے ایک ملی وسیاسی تنظیم بھی قائم کی ہے امید ہے یہاں کے مسلمان اس کی حمایت کر کے مجھے ان کے مسائل حل کرنے میں مدد دیں گے۔

آپ کا رسالہ ''الرضا'' جس طمطراق کے ساتھ عرس رضوی ۲۰۱۵ میں منظر عام پر آیا تھا شکر ہے کہ اب بھی اس کا طمطراق اور تیور سلامت ہے آپ کے مسلسل اداریے نے جماعت پر چھائی خاموشی کا ازالہ کر دیا ہے جام نور کو اس کی اوقات معلوم ہوگئی ہے میں مسلسل پروگرام میں رہتا ہوں میری یہ بات ان مسلمانوں کے جذبات ہیں جو وہ مجھ سے بیانات کرتے رہتے ہیں، آپ خوش نصیب ہیں کہ آپ نے اس خاموشی کو توڑا ہے جس کے لئے ہمت کہیں سے دیکھنے میں نہیں آرہی تھی۔ تحریک ندوہ سے تحریک جام نور تک، اے تصوف ترے انجام پہ رونا آیا، ایماں مجھے روکے ہی تو کھینچے ہے اسے کفر، کس کس انداز میں آپنے جماعت میں رہ کر جماعت کے خلاف سر ابھارنے والوں کو للکارا ہے، دل سے دعائیں نکلتی ہیں آپ کے لئے۔ یقین جانئے اگر حضرت علامہ زندہ ہوتے تو ان اداریوں کو پڑھ کر ضرور یہ محسوس کرتے کہ میرے بات تعزیرات قلم لکھنے والا جماعت میں ایک فرد پیدا ہوگیا ہے۔

آخری شمارہ میں خانقاہ بلخیہ فردوسیہ کے حکیم سید شاہ مظفر الدین بلخی فردوسی کا مضمون دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ آپ کی تحریک سے خانقاہیں بھی جڑی ہوئی ہیں، ان کا مضمون بھی بہت معیاری اور محبت سے لکھا ہوا ہے کوشش کیجئے کہ دیگر ذمہ دار خانقاہوں کا رابطہ بھی باقی رہے، ہندوستان میں مسلمانوں کا مستقبل بہت اچھا نہیں اس لئے آپس میں مربوط رہنا بہت ضروری ہے اگر آپ کہیں گے کہ ملنے کے لئے سنیت میں پختہ ہونا ضروری ہے تو میں اس کا مخالف کہاں ہوں اس لئے میں نے ذمہ دار خانقاہ کے الفظ استعمال کیا ہے۔ مفتی ذوالفقار نعیمی کا مضمون بھی بہت پسند آیا، ان سبھوں کو میری طرف سے مبارک باد کہیں۔

آپ کی پوری ٹیم کو ان کی ہمت اور حوصلہ کو اللہ پاک باقی رکھے میری جہاں ضرورت محسوس کریں ضرور بتائیں میں آپ کے مشن اور آپ کی تحریک کے ساتھ ہوں۔ ہوسکے تو ۹ ستمبر کو ادارہ شرعیہ میں ''تعلیمی بورڈ'' کی میٹنگ کی خبر ضرور شائع کر دیں کہ بہار وجھارکھنڈ کے مدارس کے ذمہ دار علما اس میں ضرور شرکت کریں۔ فقط

□□□

کیا اسی کا نام صوفیت ہے؟

مولانا قمر الزماں مصباحی، الجامعۃ الرضویہ، پٹنہ سیٹی

محب محترم ڈاکٹر امجد رضا صاحب قبلہ! سلام مسنون!

آپ کی پاکیزہ ادارت میں نکلنے والا مسلک اعلیٰ حضرت کا بے باک ترجمان ''دوماہی الرضا انٹرنیشنل'' اہل ایمان کیلئے پیغام مسرت اور بھٹکے ہوئے آہوؤں کے لئے سامان ہدایت ہے۔ ہر مضمون قابل مطالعہ ہے۔ اظہار خیالات کے کالم میں بھی بڑی قیمتی باتیں آگئی ہیں، حضرت حکیم سید مظفر الدین صاحب بلخی زیب سجادہ خانقاہ بلخیہ فتوحہ نے اپنے اظہار خیال میں جن گوشوں کو جگہ دی ہے وہ قابل عمل ہے، دیکھئے کتنی فکر انگیز بات کہی ہے کہ ''عقاید سے کسی طرح کے سمجھوتے کی گنجائش نہیں خواہ اس کے دائرہ احتساب میں کسی کی بھی شخصیت مجروح کیوں نہ ہو اور اس رسالہ سے ایسے ہی تصور کو تحریک ملتی ہے۔''

آپ کا اداریہ ''ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے اسے کفر'' وقت وحالات کے تناظر میں نہایت اہم تحریر ہے، منہاجیت، فیورک اور عمانزم کے بطن سے پیدا ہونے والے مسائل جن کا رشتہ کفر سے جاملتا ہے اس کے مکروہ چہرے سے جو نقاب کشائی کی ہے اس سے آپ کی فکری بصیرت، علمی گرفت، قلمی بالیدگی اور مشاق صحافی کا کردار

ابھر کر سامنے آتا ہے۔ خدا سلامت رکھے اس قلم کو جس نے حال کے سمندر سے اٹھنے والے ایک طوفان بلاخیز کا رخ موڑا۔ الجامعۃ الاشرفیہ مسلک اعلیٰ حضرت کا ترجمان اور علوم اسلامیہ کا ایک مضبوط اور مستحکم قلعہ ہے جس کی ہر اینٹ پر حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے اخلاص فی الدین اور حب رضا کی داستان مرقوم ہے، مگر وہاں کے فارغ شدہ مولانا ناصر رام پوری نے رسالہ عمان اور اس کے تین نکات کی نہ صرف تحسین کی بلکہ اس اقدام کی حمایت کی پر جوش وکالت بھی کی جو ان کے مادر علمی کی فکر سے بغاوت وانحراف کی واضح دلیل ہے۔

حضرت مفتی ذوالفقار خاں نعیمی صاحب نے ''کار پاکاں را قیاس از خود مگیر'' کے تحت آج کل کے متصوفین کے چہرے سے جو پردہ اٹھایا ہے وہ خوب نہیں بہت خوب ہے۔ حضرات صوفیائے کرام کی زندگی، حلم ومروت، عاجزی وانکساری، خدا طلبی، خود فراموشی سے عبارت تھی۔ توکل علی اللہ اور قوت لایموت ان کی حیات کا اصل جوہر تھی اور آج حالات برعکس ہیں، آج کے صوفیا کی زندگی حکومت کی کاسہ لیسی، جاہ طلبی، ریاوسمعہ اور کبر ونخوت کی رنگین قالین میں لپٹی ہوئی ہے، الا ماشاء اللہ! کیا اسی کا نام صوفیت ہے؟ خدائے قدیر اس طرح کے تصوف کے راگ الاپنے والے صوفیوں کے خونخوار چنگل سے قوم مسلم کو بچائے۔ بظاہر جہاں بہت اجالا ہے، قوم وہاں اپنا سب کچھ قربان کر دیتی ہے مگر باطن اتنا سیاہ ہے کہ ان کے دامن سے وابستگی کے بعد لوگوں کو اپنے دین وایمان سے بھی ہاتھ دھولینا پڑتا ہے۔ حیرت ہے کہ دل سیاہ، کردار سیاہ، عقیدہ سیاہ، فکریں سیاہ اس کے باوجود امام رازی وغزالی، جامی ورومی اور جنید وبایزید کی صف میں اپنے کو گردانتے ہیں۔ العیاذ باللہ!

حضرت حکیم سید مظفر الدین بلخی کی تحریر ''حضرت مخدوم جہاں کا تصور عشق'' ایک علمی دنیا کی سیر کراتی ہے، بے پناہ معلوماتی اور شریعت وطریقت کے پاکیزہ رشتہ کو سمجھاتی ہے۔ بولتی ہوئی تحریر، خوبصورت لہجہ، جملوں کی آگہی اور زبان وبیان کی دلکشی عظیم آباد کی ادبی فضا کی مکمل عکاس ہے۔ حضرت مخدوم جہاں کے تصور عشق کا جو حسین نقشہ آپ کے قلم نے کھینچا ہے اس سے آپ کی علمی شخصیت اور فکری بصیرت کا پورا پورا احساس جاگ اٹھتا ہے۔ آج کل کچھ جاہل پیر یہ کہتے نہیں تھکتے کہ شریعت طریقت سے الگ شی ہے، ایسے اہل ہوس کے لئے بلخی صاحب کی یہ روشن تحریر درس عبرت ہے۔

حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری صاحب قبلہ کا مضمون ''صلح کلیت کی مسموم فضائیں'' نشان ہدایت ہے۔ ماہنامہ خضر راہ اپنے بزرگوں کی روش سے ہٹ کر ایک نئی منزل کو پانے میں کوشاں ہے جو جماعت اہل سنت کے لئے ایک بڑے حادثہ کا اشاریہ ہے۔ مولا کریم عقل سلیم عطا فرمائے۔

□□□

''الرضا'' چراغ ہدایت ہے!

■ مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی

مدیر اعلیٰ پیغام رضا ممبئی

مکرمی ڈاکٹر امجد رضا صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پہلے الرضا، کی کامیاب اشاعت پر مبارک باد قبول کریں۔

ہمیں خوشی اس بات کی ہے کہ ''الرضا'' پابندی وقت کے ساتھ نکل رہا ہے اور غم اس بات کا ہے کہ اس کی تقسیم وترسیل صحیح انداز میں نہیں ہو پارہی ہے۔ تقسیم وترسیل میں بے توجہی سے مقاصد کا حصول فوت ہو جائے گا۔ اس لئے اس پہلو پر سنجیدگی سے سوچنے کی ضرورت ہے، اس میں صرفہ بھی کوئی زیادہ نہیں ہے، آپ کی کابینہ بڑی بھی ہے ذی علم بھی ہے، صاحب بصیرت بھی ہے اور مقاصد بھی مشترک ہیں۔

الرضا، مئی، جون ۲۰۱۶ء کا شمارہ اس وقت پیش نگاہ ہے۔ اس شمارے کے اداریہ کا عنوان ہے ''اے تصوف تیرے انجام پہ رونا آیا'' اس عنوان کو پڑھتے ہی دہلی کی صوفی کانفرنس کے سارے مناظر ایک قاری کی آنکھوں میں سمٹ آتے ہیں۔ اس میں آپ نے حالات کی جس انداز میں ترجمانی کی ہے یہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ صوفی کانفرنس تصوف کے نام پہ انتہائی بودا مذاق تھا۔ اس کانفرنس میں جن خانقاہوں نے حصہ لیا ہے ان کے چہرے سے آپ نے پورے طور پر نقاب اتار دیا ہے۔ ویسے

عوام کی اکثریت صداقت آشنا ہوتی ہے اسے آسانی کے ساتھ گمراہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس کانفرنس سے خانقاہوں کی رضا دشمنی کھل کر سامنے آگئی ہے۔ اس کانفرنس میں شریک ساری خانقاہوں پہ یہ حکم نہیں لگایا جاسکتا لیکن اکثریت بہرحال تھی، یہ وقت کا کتنا بڑا المیہ ہے کہ جس ذات نے خانقاہوں کو تحفظ فراہم کیا ہے آج وہی خانقاہیں اس ذات کی کردارکشی پہ آمادہ ہیں۔ آج برصغیر ہندو پاک میں عشق رسالت کا جو چراغ جل رہا ہے یہ کسی خانقاہ کی دین نہیں بلکہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی بے لوث قربانیوں کا نتیجہ ہے اس حوالے سے رئیس القلم علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کا صداقت سے لبریز تاثر ملاحظہ کریں۔

''اہل سنت کے امام! خدائے غافر وقدیر تمہاری خواب گاہ کو رحمتوں کے پھول سے بھر دے۔۔۔۔۔تمہارا یہ احسان ہم کبھی نہیں بھول سکتے کہ تم نے نہایت نازک وقت میں ایمان کے ساتھ ہماری روحوں کا سررشتہ ٹوٹنے سے بچالیا۔

ویسے کہنے کے لیے ساری دنیا رسول مجتبیٰ کے پروانوں سے بھری ہوئی تھی لیکن نجد کے گستاخوں کے منہ میں لگام دینے کے لیے تمہارے سوا کون کھڑا ہوا۔۔۔۔۔کس نے اپنی ہستی کی ساری صلاحیتوں کو حمایت حق کے مورچے پر لگا کر اسلام کی فصیل کو کفر والحاد کے طوفان سے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا۔۔۔۔۔مزارات کے وراث اور خانقاہوں کے سجادہ نشیں کہاں نہیں تھے۔۔۔۔۔لیکن کسے ہمت ہوئی کہ ابلیس کے امنڈتے ہوئے لشکر کو شکست فاش دینے کے لئے خون کا آخری قطرہ تک نثار کردے۔

ہر محفل کا چراغ بننا اور ہر طبقے میں نیک نام کہلانا کون نہیں پسند کرتا، لیکن پیارے! یہ تمہارا ہی جگر تھا کہ حق کی خوشنودی کے آگے تم نے کسی کے روٹھنے کی پرواہ کی نہ کسی کے طعن وتشنیع سے آزردہ ہوئے۔ ایک اپنے محبوب کو راضی کر کے تم سارے جہاں سے مستغنی ہوگئے۔

اہل حق کی دنیا آج بھی اعتراف کرتی ہے کہ تم نے غیرت عشق کی یہ بھٹی نہ سلگائی ہوتی تو اس عہد نفاق آشوب میں یقین وعرفان کا یہ نکھرا ہوا سونا کسے میسر آتا۔''

(تجلیات رضا، ص ۲۱۱ ر دار الکتاب دہلی ۲۰۰۵ء)

الرضا'' شمارہ مئی جون ۲۰۱۶ء کا غالب حصہ صوفی کانفرنس بنام مودی کانفرنس کی مرثیہ خوانی پر مشتمل ہے الرضا، کی یہ روش قابل مبارک باد ہے حق کے اعلان واظہار اور باطل شکنی کا اسی انداز میں مظاہرہ ہونا چاہیئے۔

الرضا، میں صوفی کانفرنس بنام مودی کانفرنس کا جو ٹریلر دکھایا گیا ہے اس سے اہل علم واہل شعور افراد پر کانفرنس کی حقیقت خوب اچھی طرح واضح ہوگئی ہے۔

الرضا مئی جون ۲۰۱۶ء کے مشمولات کی جامعیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن کہیں کہیں نظر ٹھہرتی ہے اور کہیں کہیں بے پناہ داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ خاص کر جناب پرویز عالم صاحب کی تحریر بنام ''کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب'' پڑھ کر بڑی مسرت ہوئی انہوں نے کانفرنس کے بانی مبانی جناب اشرف صاحب کو بڑا خوبصورت آئینہ دکھایا ہے اگر اشرف صاحب کی دینی حمیت اور خاندانی غیرت زندہ ہوگی تو اس تحریر کو پڑھنے کے بعد اپنا توبہ نامہ ورجوع نامہ ضرور شائع کریں گے۔

یہ کہنا غلط ہے کہ مولانا اسید الحق ہوتے تو علامہ فضل رسول بدایونی، علامہ فضل حق خیرآبادی اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری کو صوفیا کی جماعت سے نکال کر فتویٰ باز مولویوں کی صف میں کھڑا نہیں کیا جاتا بلکہ مولانا حیات سے ہوتے تو اس کانفرنس کا اہم حصہ ہوتے۔

صوفی کانفرنس بنام مودی کانفرنس میں تالیوں کا بھرپور مظاہرہ ہوا، بھارت ماتا کی جئے کے نعرے بھی خوب لگے کانفرنس میں صوفیات کی بھی ایک جماعت شریک تھی لیکن کسی کے سر پہ آنچل نہیں تھا موڈرن صوفیا اور صوفیات کے درمیان پردے کی کوئی دیوار نہیں تھی دونوں کی کرسیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی تھیں۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بلا تکلف ہم کلام بھی تھے۔ تالیوں کے مظاہرے اور بھارت ماتا کی جئے کے نعرے پہ بانیان کانفرنس نے کسی طرح کا تعارض نہیں کیا لیکن کانفرنس کی ایک نشست میں جب سامعین کی طرف

سے نعرہائے تکبیر ورسالت کا مظاہرہ ہوا تو جناب اشرف صاحب نے شدید برہمی کا اظہار کیا یہی برہمی تالیوں کے شور اور بھارت ما تا کی جئے پہ دکھائی جاتی تو بات کچھ اور ہوتی۔

یہ وقت توڑنے کا نہیں جوڑنے کا ہے۔الرضا، کی یہ پالیسی ایسی ہے جس کی کوئی بھی ستائش کرے گا،اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جو توڑنے پر یقین رکھتے ہیں ایسے افراد کی نشان دہی ہونی چاہیے تا کہ انہیں اس عمل سے روکا جاسکے،ہمارا ماننا ہے کہ دنیا کا ہر فرد، ادارہ، تحریک اور ہر جماعت اپنی افرادی قوت میں اضافہ کرنا چاہتی ہے خود الرضا، یہ چاہتا ہے کہ وہ پوری دنیا چاند میں چاندنی کی طرح پھیل جائے، حواس بن کر لوگوں کے اعصاب پر چھا جائے لیکن یہ بھی سچ ہے کہ ایک حلقہ ایسا بھی ہے جو الرضا، کی شدت سے مخالفت کرتا ہے مثال کے طور پر جو لوگ الرضا کے قلم کی نوک سے زخمی ہورہے ہیں جن کی زندگی کے سیاہ باب کو الرضا نے اجاگر کئے ہیں جن کی بداعمالیوں پر الرضا کی گہری نظر ہے کیا وہ الرضا سے قریب ہوسکتے ہیں؟ طاہر القادری کے ماننے والوں کا پوری دنیا میں بہت بڑا حلقہ ہے خود ہندوستان میں ان کے ماننے والوں کی اچھی خاصی تعداد ہے۔الرضا نے طاہر القادری کی شناعتوں کو عوامی عدالت میں پیش کیا ہے کیا طاہر القادری کے ماننے والے،ان سے عقیدت رکھنے والے اور ان کی تحریک کی اشاعت کرنے والے الرضا، کے قریب آسکتے ہیں ایسا اسی وقت ہوسکتا ہے کہ الرضا، اپنی پالیسی بدل دے، اپنی ڈگر بدل دے ان کی فکری آوارگی کو احترام کی نگاہ سے دیکھے اور ایسا قیامت کی صبح تک نہیں ہوسکتا، کوئی کسی کو توڑتا نہیں بلکہ لوگ اپنی بداعمالیوں کی بنیاد پر اہل حق سے خود ہی الگ ہوجاتے ہیں۔

اس وقت پوری دنیا صلح کلیت کی زد میں ہے وہ بستیاں جہاں اہلسنت کا بول بالا تھا جہاں کی فضا نغمات رضا سے گونجتی تھی اور جہاں کسی بدعقیدے کا گزر بہت مشکل تھا آج وہاں بھی صلح کلیت نے اپنے پنجے گاڑ دئے ہیں، الرضا، صلح کلیت کی شدت سے مخالفت کرتا ہے بلکہ رد صلح کلیت الرضا کے منشور کا ترجیحی حصہ ہے اب وہ افراد واشخاص جنہیں صلح کلیت عزیز ہے اور جو لوگ صلح کلیت کے فروغ میں شب و روز مصروف ہیں کیا وہ اپنے گھروں میں الرضا ،کو داخلے کی اجازت دے سکتے ہیں؟ کیا وہ الرضا سے قریب ہوسکتے ہیں؟ الرضا ،اپنا کام جاری رکھے ،اپنا پیغام جاری رکھے اور اپنے اہداف تک پہنچنے کا عمل جاری رکھے جنہیں یقین ہوجائیگا کہ الرضا حق وصداقت کی ایک معتبر آواز ہے، عشق رسالت کی خوشبو ہے، محبت اولیاء کی روشنی ہے اور مسلک حقہ ،مسلک اعلیٰ حضرت کا ترجمان ہے وہ خود بخود الرضا، کے قریب ہوجائیں گے۔باتیں اور بھی ہیں لیکن وقت بہت کم ہے ہماری نیک خواہشات اراکین الرضا کے ساتھ ہیں، دعا ہے کہ الرضا، جو یونہی پھیلتا رہے۔خوشبو بکھیرتا رہے اور انسانی قلوب واذہان کو حق وصداقت کے نور سے منور کرتا رہے۔آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

لطیف بات بھی احباب کو کھٹکتی ہے
نہ جانے کون سا کانٹا مری زبان میں ہے

□□□

جب ارادے نیک ہوں!

■ مولانا محمد عتیق احمد خان رضوی نعیمی گجرات

اس وقت میرے پیش نظر دو ماہی مجلہ الرضا پٹنہ انٹرنیشنل ہے، جو عشق اعلی حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی تعلیمات وافکار کو در در اور گھر گھر ہر قاری تک بڑی خوش اسلوبی سے پہونچاتا اور حاسدین مسلک حقہ ومبطلین دین حقہ کا منہ توڑ جواب بھی دیتا ہے۔ جبکہ اس دور پرفتن میں ہر جانب مسلک اعلی حضرت کے مخالفین و حاسدین اپنے ناپاک ارادوں کی تکمیل کیلئے بدمذہبوں اور بے دینوں سے صلح کرنے کو تیار ہیں ایسے میں حضرت علامہ غلام مصطفی صاحب قبلہ نجم القادری خلیفہ حضورِ تاج الشریعہ وحضور محدث کبیر اور ڈاکٹر مفتی محمد امجد رضا صاحب قبلہ امجد خلیفہ حضور تاج الشریعہ وانکے معاونین ومحبین کی کاوشیں قابل ستائش ومبارکباد ہیں کہ ان مقدس ہستیوں نے اہل سنت مسلک اعلی حضرت کی نشر واشاعت اور سنی مسلمانوں کے ایمان عقیدہ کی حفاظت کیلئے مجلہ الرضا پٹنہ کا انتخاب کیا اس دو ماہی مجلہ

کی مقبولیت وافادیت کا اندازہ ان باتوں سے لگایا جاسکتا ہے کہ جہاں اسکی کامیابی کیلئے حضور تاج الشریعہ دعا گو ہیں وہیں چند مہینوں میں یہ مجلہ ملک و بیرون ملک لوگوں میں اپنی افادیت کا لوہا منوا چکا ہے اور کیوں نہ ہو جب ارادے نیک ہوں تو منزل آسان ہوجاتی ہے۔ اس مجلہ کا مقصد صرف اور صرف صلح کلیوں اور بدمذہبوں کے شر سے لوگوں کو بچانا ہے۔

زیادہ کچھ نہ کہ کر بس اتنی دعا ہے کہ اللہ تعالی اس مجلہ الرضا کو بام عروج تک پہونچائے اور اس سے خلق خدا کو نفع کثیر عطا فرمائے اللہ تعالی اپنے محبوب کے صدقے مجلہ الرضا کو مزید تابشیں عطا فرمائے تاکہ اس کے ذریعہ ایک عالم ضیابار ہو۔ آمین

□□□

دور حاضر میں سنیت کا بے باک ترجمان

■—— مولانا محمد شہنواز حسین رضوی نظامی

خادم تحریک اصلاح معاشرہ دارجلنگ مغربی بنگال)

دوماہی الرضا پٹنہ کا چوتھا شمارہ جولائی اگست 2016 نظر نواز ہوا۔ ''دو ماہی الرضا'' کے مضامین پڑھنے کے بعد بے حد مسرت ہوئی۔ رسالہ کی زبان نہایت سلیس لب ولہجہ شائستہ اور علم وادب کا گلدان ھے۔ اسکی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ سنیت کا بے باک ترجمان ''مسلک اعلی حضرت'' کا نقیب اور دور حاضر میں اسلاف کے طریقوں سے الگ حالات ومصلحت کے نام پر انحراف کا تباہ کن راستہ ہموار کرنے والوں کا موثر تدارک کرنے والا اہم رسالہ ہے۔ سطر سطر سے ''کلک رضا'' کی ضوباریاں پاکیزہ فکر واعتقاد کی دعوت اور چمنستان وفا کی طیب وطاہر نکہت سے مشام ایمان معطر کرنے والا رسالہ ہے۔

دل کی اتھا گہرائیوں سے ناچیز مدیر محترم کو صد بار ہدیۂ مبارکباد پیش کرتا ہے۔ رب العلمین جل جلالہ وعم نوالہ کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں۔ کہ فاضل گرامی کے حوصلوں اور تحریروں میں مزید توانائی عطا فرمائے اور عمر خضر عطا فرما کر زیادہ سے زیادہ دین کی خدمت کی توفیق بخشے اور علم نافع وعمل صالح کی دولت لازوال سے مالا مال فرما کر دارین کی سعادتوں سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین

□□□

اداریہ نے متاثر کیا!

■—— محمد ابرار احمد قادری، پورنیہ، بہار

حضرت ڈاکٹر امجد رضا امجدؔ صاحب قبلہ۔ سلام مسنون
''الرضا'' کا تیسرا شمارہ نظر نواز ہوا، مشمولات ومضامین کا سرسری مطالعہ کیا، خوب سے خوب تر پایا۔ خصوصا آپ کا اداریہ'' اے تصوف تیرے انجام پہ رونا آیا'' نے بے حد متاثر کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے اداریہ نے نام نہاد صوفی کانفرنس کا جنازہ نکال دیا ہے۔ اداریہ میں آپ نے قارئین کو جن حقائق سے روشناس کرایا ہے اور صوفی کانفرنس کی خامیوں کو اُجاگر کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ خوشتر صاحب کے مودی نواز اداریہ کا جس طرح تحقیقی وتنقیدی جائزہ لیا ہے وہ بلاشبہ قابل تعریف ہے۔

اللہ جل مجدہ کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ اس رسالہ کو مقبول عام بنائے اور لوگوں کو مضامین صحیحہ سے نفع اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

□□□

''الرضا'' کا حلقہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہا ہے

■—— مولانا محمد محمود عالم شمسی مصباحی

پرنسپل دارالعلوم اہل سنت مدرسہ رحیمیہ رنکا راج ضلع گڑھوا جھارکھنڈ

استاذی الکریم حضرت مفتی ڈاکٹر امجد رضا صاحب قبلہ
السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ

دوماہی رسالہ ''الرضا انٹرنیشنل'' کے تین شمارے باصرہ نواز ہوے الحمدللہ! اس کے سارے مشمولات عمدہ اور صالح فکر کے ترجمان ہیں ڈاکٹر طاہر القادری اور کچھ روشن خیالوں کے زبان وقلم کی بے راہ روی کو دیکھ کر بہت دنوں سے دلی خواہش تھی کہ کسی ایسے رسالہ کی اشاعت ہو جوان کی بے راہ روی کو بے نقاب اور انکے زبان وقلم کا قبلہ درست کرنے کی کوشش کرے ،الحمدللہ دیر آید درست آید کے مصداق اس عظیم کام کے لیے قرعہ فال آپ ہی کے نام نکلا پھر کیا تھا بہت کم عرصہ میں یہ رسالہ قارئین کے دلوں کی دھڑکن بن گیا۔ **اللھم زدفزد**

اس رسالہ خصوصا آپ کی تحریر کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ

یہ افراط وتفریط سے پاک اور داعیانہ ومخلصانہ جذبوں سے لبریز رہتی ہے جو عام طور پر دیگر رسالوں میں مفقود رہتا ہے یہی وجہ ہے اس کا حلقہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہا ہے اگر یہی اسلوب برقرار رہاتو ان شاءاللہ یہ رسالہ ضرور اپنے مقصد میں کامیاب ہوگا ،نام نہادصوفی کانفرنس کے تعلق سے میں خود سوچ میں تھا کہ یا اللہ یہ کیا ہورہا ہے لیکن قربان جائیں جانشین مفتی اعظم سرکار تاج الشریعہ علامہ مفتی اختر رضا خان قادری ازہری ،حضرت امین ملت ،علماء اشرفیہ اور شیخ الاسلام علامہ سید مدنی میاں اشرفی جیلانی دام ظلہما پر کہ ان پاک ہستیوں نے بروقت امت کی رہنمای فرمائی۔

میں مبارک باد دیتا ہوں آپ اور آپ کی پوری ٹیم کو کہ یہ جماعت کو فاسد خیالات اور باطل مزعومات سے محفوظ کرنے اور پیغام رضا کو عام کرنے میں ہمیشہ سرگرم ہیں اللہ آپ اور جملہ معاونین کو جزاے خیر عطا فرمائے اور پیغام رضا کو عام فرمائے۔

□□□

’’جام نور‘‘ کو مطالعے کی میز سے ہٹا دیا

■ مولانا محمد افتخار حسین رضوی
محلہ اردو کالونی پوسٹ، ٹھاکر گنج، کشنگنج، بہار

حضرت ڈاکٹر امجد رضا امجد صاحب قبلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دو ماھی الرضا انٹرنیشنل اتفاق سے وھاٹس ایپ کے توسط سے انٹرنیٹ سے حاصل کیا مطالعہ سے فیضیاب ھوا اور ھو رہا ہوں۔

میں اپنے تمامتر قلبی جذبات و احساسات کے ساتھ ’’الرضا‘‘ کے دھماکہ خیز آغاز واشاعت کیلئے اپنی بے پناہ خوشیوں کا اظہار کرتا ہوں۔ ’’الرضا‘‘ میرے لئے افق ادب پر فرحت و انبساط اور نشاط وسرور کا عظیم پیغام لیکر جلوہ افروز ھوا ہے۔

امید قوی ہے کہ یہ رسالہ باغیان مسلک اعلیحضرت کا کامیاب آپریشن کریگا۔افسوس میں بھی ’’جام نور‘‘ کے پرفریب تحریری دلکشی اور جدید فکری روش کا اسیر بن گیا تھا مگر رفتہ رفتہ جام نور کی بے لگام ہوتی فکری آزادی کا پردہ چاک ہوتے ہی میری عقیدت بیزاریت میں تبدیل ھوگئی یہاں تک کہ جام نور کو مطالعے کی میز سے ہٹا دیا۔ کیوں کہ میرا اصلی رہنما ماہنامہ اعلیحضرت میرے ساتھ تھا۔لیکن الرضا جیسا کسی رسالہ کا مجھے شدت سے انتظار تھا۔ میں اندر سے اضطرابی کیفیتوں سے دوچار تھا۔الحمدللہ !الرضا قلبی سکون بن کر وجود میں آیا۔اللہ کریم اعلیٰ حضرت اور مفتی اعظم ہند علیہما الرحمہ کے وسیلے سے الرضا کو دن گیارھویں اور رات بارھویں ترقی عطا فرمائے۔اور نظر بد سے بچائے۔آمین۔

□□□

ملت کے لیے سرمایۂ افتخار

■ مولانا غلام ربانی شرف نظامی
تلمیذ رشید حضرت مفتی شفیق احمد شریفی، پرنسپل دارالعلوم غریب نواز وقاضی شہر، الہ آباد

پاسبان رضویت فخر المحررین ڈاکٹر محمد امجد رضا امجد مدظلہ العالی

۔۔۔۔۔سلام مسنون

ناچیز آپ کے جریدے کا مسلسل قاری ہے۔سردست میرے سامنے ’’دوماہی الرضا‘‘ جولائی واگست ۲۰۱۶ء کا شمارہ ہے اس کے سارے مشمولات اپنی معنوی حیثیت اور اہمیت وافادیت کے لحاظ سے قابل قدر دیدہ زیب اور حسن ترتیب سے پوری طرح مزین ومرصع ہے آپ کی یہ خدمت قابل ستائش اور آپ کی مذہب بیداری ومسلکی فکر، ملت کے لیے سرمایۂ افتخار ہے۔

آپ کا حالیہ اداریہ ’’ایمان مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے اُسے کفر‘‘ نہایت ہی قابل قدر اور محققانہ ہے۔جس میں دین الٰہی، منہاجیت، فیورک اور عمانزم وغیرہ کا مختلف جہات سے جائزہ لیتے ہوئے آپ نے جن حقائق ومعارف کو مثبت انداز میں اجاگر فرمایا ہے، وہ لائق تحسین ہے اور طرز تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی تحریروں میں علامہ نظامی کی تحریروں کا عکس اور رئیس القلم کی نبض شناشی کا ہنر کافی حدتک موجود ہے اور تحریری توازن واعتدال بھی ،جو قابل مبارکباد ہے اور ساتھ ہی ساتھ حضرت علامہ مفتی ذوالفقار احمد نعیمی کا گراں قدر سرمایہ ’’کارِ پاکاں راقیاس ازخود مگیر‘‘ قابل تحسین ہے اور اس کی ایک ایک سطر نہ صرف پڑھنے کے قابل ہے بلکہ صوفیانہ شاعری کا غلط مفہوم بیان کرنے والوں کے لیے درس عبرت اور راہ ہدایت بھی ہے۔

خدا کرے یہ سلسلۂ سفر یونہی جاری رہے اور سنیت ہر سو غالب ہوجائے اور مسلک رضا کا بول بالا رہے۔

□□□

توسل اور ندا بالغیب

تلمیذ ملک العلما حضرت مولانا حکیم سید شاہ تقی حسن بلخی فردوسی
فاضل الٰہیات، سجادہ نشیں خانقاہ بلخیہ فردوسیہ فتوحہ، پٹنہ

حکیم سید شاہ تقی حسن بلخی جید عالم دین، کامیاب طبیب، مفسر، فقیہ، مصنف اور شاعر تھے۔ ۱۹۳۸ء میں اپنے والد غلام شرف الدین بلخی کے وصال کے بعد خانقاہ بلخیہ فردوسیہ فتوحہ پٹنہ کے سجادہ نشیں ہوئے۔ ۱۹۷۲ء میں وصال ہوا۔ آپ کی سنہ پیدائش ۱۹۰۱ء ہے۔ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔ یہاں وہ ملک العلماء مولانا ظفر الدین فاضل بہاری کے شاگرد خاص رہے۔ جامعہ الٰہیات کانپور سے بھی الٰہیات اور ادیان عالم کی تعلیم مکمل کی اور سند فراغت لی۔ ادیان عالم اور الٰہیات کے موضوع پر سند اختصاص لینے کے ساتھ بہت سے موضوعات میں خصوصی دل چسپی رہی۔ جن میں ایسے موضوعات بھی ہیں جن پر آپ کو کمال بصیرت اور عبور حاصل تھا۔ ان میں مخدوم جہاں شیخ شرف الدین یحیٰ منیری کی ذات خصوصیت سے آپ کی دلچسپی کا موضوع رہی۔ مخدوم جہاں کی ذات، خدمات ار تصنیفات پر گہری اور وسیع نظر تھی۔ علم طب کے لیے آیورویدک یونانی طبیہ کالج دہلی میں داخلہ لیا۔ حکیم اجمل خاں کے شاگرد ہوئے۔ لیکن فراغت تکمیل الطب کالج لکھنؤ سے ہوئی۔ پروفیسر شپ کی سرکاری پیش کش قبول نہ کی۔ خانقاہ بلخیہ فردوسیہ فتوحہ میں باضابطہ مطب کا آغاز کیا۔ ایک کامیاب طبیب کی حیثیت سے مرجع خلائق رہے۔ مریضوں کا ہجوم اس قدر ہوتا کہ دیگر معمولات بھی متاثر ہوتے لیکن اسی پیشہ کو آپ نے ترجیحی ذریعہ معاش بنایا۔ حکیم سید شاہ تقی حسن بلخی شمس الہی ایک قادر الکلام خوش بیان خطیب تھے۔ طفل عمری سے ہی آپ نے اس پر ملکہ حاصل کرلیا۔ مزید جامعہ الٰہیات میں ادیان عالم کے تقابلی مطالعہ کے تقاضہ سے فن خطابت کی خاص تربیت دی گئی۔ ۱۹۷۰ء سے قبل شہر عظیم آباد میں بھی آپ کے بے شمار خطابات یادگار زمانہ ہیں۔ ذکر شہادت اور سیرت النبی کی مجالس میں آپ کی طرز خطابت سامعین کو مسحور و بے خود کردیتی۔ محبت رسول میں خود بھی روتے اور مجمع بھی رقت انگیز ہوجاتا۔ زیر نظر مضمون اسی عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا آئینہ دار ہے جس میں استمداد رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن وحدیث کے علاوہ عقلی وسائنسی دلائل قائم کئے گیے ہیں۔ ارباب علم وفن اور اہل دانش کے لیے یہ تحریر کسی تحفہ وتبرک سے کم نہیں۔ افادہ عام کے لیے بہ نظر قارئین ہے۔

اراکین تبلیغی کمیٹی شاہ گنج (پٹنہ) کی طرف سے آج کل ایک رسالہ ''قرآن وشرک'' کے نام سے تمام تقسیم کیا جارہا ہے جس میں بعض ایسی باتیں بھی آگئی ہیں (اور جس پر خاص طور پر توجہ بھی دی گئی ہے) جس سے جمہور وسواد اعظم کے ایک متفق علیہ مسئلہ پر ضرب کاری لگتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اس رسالہ میں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا اور غیر اللہ سے معاونت واستمداد کو شرک بتلایا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۷) نیز جماعت اسلامی کا متین وسنجیدہ جریدہ ''دعوت'' میں بھی نعت کے ان اشعار پر جس کا مطلع ہے۔

عطا ہو عروج نظر یا محمد
پریشاں ہوں لیجئے خبر یا محمد

عرض حال کے عنوان سے اسی خیال کی تائید کی گئی ہے اور اسے شرک جلی سے تعبیر اور ایاک نعبد وایاک نستعین کے خلاف بتلایا گیا ہے۔ اصل مضمون کے لیے ۱۶ر ستمبر ۶۰ سنہ کا اخبار ملاحظہ فرمایا جائے۔

اس لیے بہ مجبوری یہ مضمون سپرد قلم کرنا پڑا میں چاہتا ہوں کہ علمی اور شرعی طور پر یہ مسئلہ منقح اور واضح ہوکر سامنے آجائے تا کہ یہ جانا جاسکے کہ حقیقتاً یارسول اللہ یا محمد وغیرہ کہنا اور اس طرح آپ کو مخاطب کرنا یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدد کے لیے پکارنا اور آپ سے طالب دعا ہونا شرک ہے یا نہیں؟ اور یہ بھی سامنے آجائے کہ سواد اعظم اور سبیل المومنین سے وابستہ ہوکر **لا تجتمع امتی علی الضلالة** (الحدیث) (ہماری امت گمراہی پر اکٹھا نہیں ہوسکتی) کا مصداق کون ہے۔ سب سے پہلے یہ عرض کرتا چلوں کہ یہ خیال کوئی نیا خیال نہیں ہے، امت مسلمہ کے چند گنتی کے افراد اور اشخاص آج سے پہلے بھی اس خیال کا اظہار کر چکے ہیں۔ ملاحظہ ہو "کتاب التوحید" مصنفہ محمد بن عبد الوہاب نجدی ۔"**من قال یا رسول اللہ اسئلك الشفاعة یا محمد ادع اللہ لی قضاء حاجتی یا محمد اسئل اللہ بك و كل من نادیٰ به فقد اشرك شركا اكبر**" (جس شخص نے یوں کہا کہ یارسول اللہ آپ سے شفاعت چاہتا ہوں۔ یا محمد میری حاجت کے لیے اللہ سے دعا فرمائیے یا محمد آپ کے ذریعہ اللہ سے سوال کرتا ہوں جس شخص نے اس طرح کی دعا کی اس نے یقیناً بڑا شرک کیا۔) علامہ سید احمد بن زینی دحلان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "خلاصۃ الکلام" میں ان کے اور عقائد کی تفصیل لکھی ہے منجملہ اس کے وہ لکھتے ہیں:

یقول فی کل خطبة فی المسجد الدرعیه من توسل بالنبی فقد کفر ۔ترجمہ: وہ اپنے ان کل خطبوں میں جو مسجد درعیہ میں دیتا تھا یہ کہا کرتا تھا کہ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل پکڑا اس نے کفر کیا۔

پھر ایک جگہ اسی کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

وکان یعتقد ان الاسلام منحصر فیه ومن تبعه ان الخلق کلهم مشرکون ویزعم ان من قال لاحد مولانا او سیدنا فهو کافر ولا یلتفت الی قول اللہ تعالیٰ فی سیدنا یحییٰ علیه السلام وسیدا ولا الی قول النبی ﷺ للانصار قوموا السیدکم یعنی سعد بن معاذ۔ترجمہ: وہ یہ اعتقاد بھی رکھتا تھا کہ اسلام اس میں اور اس کے متبعین میں منحصر ہے اور یہ کہ تمام مخلوق مشرک ہے اور یہ کہتا تھا کہ جس شخص نے کسی شخص کو سیدنا یا مولانا کے ساتھ مخاطب کیا اس نے کفر کیا حالانکہ اس نے یہ خیال نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے (قرآن پاک میں) حضرت یحییٰ علیہ السلام کو سید ہی کے لفظ سے یاد فرمایا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی طرف اس نے دھیان دیا تو آپ نے اس وقت جب سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آرہے تھے۔ انصاریوں سے فرمایا تھا کہ اپنے سید کے لیے کھڑے ہوجاؤ۔

نیز اس رسالہ کشف الشبہات سے حوالہ دے کر لکھا ہے کہ:

کفر فیها جمیع المسلمین وزعم ان الناس کفار منذ ستمائة سنة وحمل الایات التی نزلت فی الکفار من قریش علی اتقیاۃ الامة۔ترجمہ: جمیع مسلمان کافر ہوگئے۔ یہاں تک کہ گمان کرتا تھا کہ چھ سو برس سے سب کافر ہی رہے اور وہ کل آیات قرآنیہ کو جو کفار قریش کے بارے میں اتری ہے سب کا مصداق امت مرحومہ کو سمجھتا تھا۔

مگر اس کے رد میں خود اس کے استاذ الشیخ محمد بن سلمان کردی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ لکھ کر اور علامہ سید علوی بن احمد بن حسین علوی الحداد نے ایک دوسرا رسالہ "جلاء الظلام" لکھ کر کما ینبغی تردید کردی ہے۔ اس وقت میں ان گذشتہ واقعات کو دہرانا نہیں چاہتا یہ حوالہ صرف اس لیے دیا گیا ہے تا کہ یہ معلوم ہوسکے کہ اس وقت جس مسئلہ کو پیش کیا جارہا ہے وہ کوئی نیا نہیں اور کوئی نئی اپج نہیں البتہ اس وقت مجھے اس جدید فتویٰ نے یہ دیکھ کر بے چین کردیا کہ اس فتویٰ کفر وشرک سے بیک جنبش قلم کتنی کثیر تعداد کو جہنم تک پہنچادیا گیا ہے او راس ہندوستان میں ایک کتنی بڑی اقلیت کو سب سے چھوٹی اقلیت میں منتقل کر کے جن سنگھ کے خواب کی تعبیر کس طرح پوری کردی گئی ہے، صحیح فرمایا مخبر صادق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ،جس کو بخاری نے

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

''انهم انطلقوا الی ایات نزلت فی الکفار فجعلو ها فی المومنین ''(ایک جماعت کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ وہ لوگ ان آیات قرآنیہ کو جو کافروں کے بارے میں اتری ہے وہ مومنین پر منطبق کریں گے) آہ! یہ نہیں خیال فرمایا گیا کہ اس فتویٰ سے کتنے اکابر اسلام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مجروح ہوکر رہ گئے، خانقاہوں کو تو چھوڑیئے جہاں ''السلام علیك منی وصلوٰتی یارسول الله ''یا''یارسول عربی قبلہ حاجات روا'' وغیرہ بار بار پڑھا جاتا ہے۔ ستم تو یہ ہے کہ مسلمانوں کی ساری مجلسیں جس میں یا نبی سلام علیک یارسول سلام علیک یا نعت کے وہ اشعار جس میں سید الرسل ملجائے امت ماوائے ملت حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے حرف ندا کے ساتھ مخاطبت ہوتی ہے، یا طلب واستمداد ملحوظ ہوتی ہے یا آپ سے توسل کیا جاتا ہے اور ایسی کل کتابیں جس میں بضمن نعت ایسا لکھا جاتا ہے اس کی تنظیم، تشکیل، تعمیر، تاسیس، تصنیف وتالیف سرے سے ناجائز ہوئی جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو اس طرح کے چند اشعار جو صاحب علم وفضل کی طرف منسوب ہیں۔

ان میں سے اس صوبہ کے ممتاز ومقدس صاحب علم بزرگ حضرت شاہ بدر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر۔

زہجرت دل فگارم یا محمد
نظر بر حال زارم یا محمد

انہیں کے صاحبزادہ وجانشیں حضرت مولانا شاہ محی الدین کا یہ شعر۔

قبلہ روئے تو یارسول اللہ
کعبہ کوئے تو یارسول اللہ

میرے محترم اور صالح بھائی اور جماعت اسلامی کے خاص رکن مولانا سید احمد صاحب عروج کا یہ شعر جو دعوت ہی کے سیرت نمبر میں شائع ہوا ہے۔

کدھر جاؤں میں ان قدموں سے اُٹھ کر آپ ہی کہہ دیں
میرے ملجا، میرے ماویٰ، میرے مولا، میرے آقا

(باقی آئندہ۔۔۔۔

(بقیہ: تحریک التوائے حج) طرح طرح سے ستا کر نجدی روپیہ وصول کرسکتا ہے اگر حاجی نہ جائیں تو اس کے مصارف اس کو خود وہاں ٹھہرنا دشوار کردیں گے ایسی صورت میں ہر ایک مسلمان اور سرزمین حجاز کی آزادی کا خواہاں بہ دل وجان اس تدبیر پر عمل کرنے اور اپنے امکان تک سعی کرنے کے لئے تیار ہوگا۔''

[السواد الاعظم مراد آباد، رجب المرجب ۱۳۴۵ھ ص، ۱۴]

مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمہ نے رسالہ السواد الاعظم میں لکھا ہے:

''اس زمانہ میں علمائے اسلام نے یہ تحریک کی تھی کہ حجاز واہل حجاز کو اہل نجد کے مظالم سے بچانے کی صرف یہی صورت ہوسکتی ہے کہ مسلمانان عالم کچھ زمانہ کے لئے حج کو ملتوی کریں۔ تاکہ حکومت نجد کو قوت نہ پہونچے اور وہ حجاز چھوڑ نے پر مجبور ہوں اور خطرہ کے وقت حج میں تاخیر کرنا شرعاً جائز ہے۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مسلمان اس تحریک پر کس حد تک عمل کرتے کیوں کہ تحریک پر زیادہ زور بھی نہیں دیا گیا تھا۔''

[السواد الاعظم مراد آباد، رجب المرجب ۱۳۵۳ھ ص ۷، ۸]

جناب ابو یوسف اصفہانی ناظم خدام الحرمین بمبئی اپنے ایک تار میں لکھتے ہیں:

''جمعیت خدام الحرمین کے زیر اہتمام مسٹر علی احمد خان صاحب دہلوی، بانی وزیر حکومت بمبئی کی زیر صدارت مسلمانانِ بمبئی کا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ بھنوئی بازار کے ایک وسیع وکشادہ میدان میں جلسہ کا انعقاد ہوا۔ جس میں قریب ہر طبقہ خیال کے دس ہزار مسلمانوں نے شرکت کی اور مسٹر دہلوی کے فاضلانہ خطبہ سے مستفیض ہوئے۔ فاضل صدر نے قرآن و حدیث سے یہ ثابت کیا ہے کہ حجاز میں جو فتنہ برپا ہے اس کا صرف یہی علاج ہے کہ حج کو ملتوی کردیا جائے۔''

[۷ رجنوری ۱۹۲۷ ص ۱۱]

مہاراجہ محمود آباد کے حوالے سے اخبار الفقیہ لکھتا ہے:

''مہاراجہ محمود آباد نے اس مسئلہ کے سیاسی پہلو کو ظاہر کرتے ہوئے مختلف دلائل سے حاضرین کے ذہن نشین کیا کہ ارضِ حجاز کو ابنِ سعود کے مظالم سے نجات دینے کے لیے صرف التوائے حج ہی مسلمانانِ ہند کے پاس ایک ہتھیار ہے۔''

[۷ رجنوری ۱۹۲۷ ص ۱۱]

باقی آئندہ۔۔۔۔۔۔۔

تنقید و احتساب

تحریک التوائے حج اور مفتی اعظم ہند

محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی

بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں جب، حجاز مقدس پر عبدالعزیز ابن سعود کا ناجائز تسلط ہوا، اور پھر اس کی جابرانہ حکومت کے ماتحت اہل حجاز پر بے باکانہ ظلم، باشندگان مکہ و مدینہ کے مال و جائداد پر غاصبانہ قبضہ، عفت مآب خواتین کی عزت وآبروریزی، علما و شرفا کے ساتھ نجدیوں کا وحشیانہ سلوک، کمزور مرد، عورت اور بچوں پر نجدی بربریت، مقامات مقدسہ کی بے حرمتی، مساجد و مقابر کا انہدام، روضۂ اقدس اور کعبۂ مقدسہ کے تقدس کی پامالی، سرزمین حرم جہاں مچھر مارنے تک کی اجازت نہیں اس مقدس مقام پر خونریزی، حجاج کے جان و مال پر ڈکیتی، ارکان حج کی ادائیگی میں محال کی حد تک دشواری، منی ومزدلفہ میں ۱۰ سے ۱۵ ہزار حجاج کی بحالت پیاس شہادت کے ذریعہ تاریخ کربلا دہرانے کی ناپاک کوشش، اور اہل سنت کے عقائد و نظریات اور ان کے قدیم و موافق سلف مراسم کو مٹانے اور اپنے ناپاک عقائد و نظریات ان پر مسلط کرنے کی جابرانہ جدوجہد کی گئی نیز اس کے علاوہ بہت سی روح فرسا وارداتیں سامنے آئیں۔ تو حضور مفتی اعظم ہند سمیت ہند و پاک کے سبھی مفتیان کرام نے ابن سعود اور اس کی حکومت کے خلاف، آواز حق بلند فرمائی اور اس کی فتنہ انگیزیوں، ریشہ دوانیوں، کا سر کچلنے کے لئے میدان عمل میں اتر کر احقاق حق وابطال باطل کا فریضہ ادا کیا۔ اور حالات پر قابو پانے کے لئے نیز حجاج کی جان و مال کی حفاظت کی غرض سے شرعی قانون کے مطابق التوائے حج کا اعلان کیا۔ یہاں ہم بتاتے چلیں کہ التوائے حج اسلام میں پہلی بار نہیں تھا بلکہ اگر تاریخ کا جائزہ لیں تو حج کے فرض ہونے کے بعد سے بیسویں صدی تک کئی بار حج ملتوی کیا گیا۔ یہاں اجمالی طور پر التوائے حج کی مثالیں بیان کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

حج کی فرضیت اور التوائے حج:

حج ایک مہتم بالشان عبادت ہے ہر صاحب استطاعت مسلمان پر شریعت کی رو سے زندگی میں ایک بار حج فرض ہے۔ حج کب فرض ہوا اس تعلق سے علما مختلف ہیں بعض سن ۵ ہجری بعض ۶ ہجری اور بعض ۹ ہجری بتاتے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں سن ۶ ہجری کو جمہور کا قول قرار دیا ہے۔ امام نووی نے شرح مسلم میں، سن ۵ ہجری اور ۶ ہجری کو بمقابلہ ۹ ہجری کے ارجح قرار دیا ہے۔ البتہ صدر الافاضل نے خزائن العرفان اور صدر الشریعہ نے بہار شریعت میں سن نو ہجری کو راجح قول بتایا ہے۔ اگر ہم نبی کریم ﷺ کی سیرت پاک کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سن ۱۰ ہجری میں حج ادا فرمایا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حج کی فرضیت سن ۵ ہجری مانیں تو ۵ سال اور ۶ ہجری ماننے کی بنیاد پر ۴ سال اور ۹ ہجری تسلیم کرنے پر ایک سال تک نبی کریم ﷺ نے حج کو ملتوی کیوں رکھا۔ تو اس کے علما نے کئی جواب دئے ہیں جن میں ایک جواب **لخوف المشرکین علی اھل المدینۃ وعلیٰ نفسہ**۔ یعنی اہل مدینہ اور اپنی جان پر مشرکوں کی طرف سے خطرہ کا اندیشہ ہونا، ہے جیسا کہ درمختار اور شرح کنز الدقائق میں ہے۔

۳۲۲ھ سے ۳۲۷ھ تک قرامطہ کے فتنہ و فساد کے سبب علماے بغداد نے التوائے حج کا حکم دیا تھا۔ تاریخ الخلفا، بنایہ

شرح ہدایہ، تبیین الحقائق وغیرہا کتب میں تفصیل موجود ہے۔ امام ابوالقاسم صفار نے قرامطہ کے ظہور کے زمانہ میں یہاں تک فرمادیا کہ میرے نزدیک بیس سال سے حج فرض ہی نہیں ہے جیسا کہ فتاوی قاضی خاں میں ہے۔ حضور مفتی اعظم نے اپنی کتاب ''تنویر الحجہ لمن یجوز التواء الحجۃ'' میں بہت سے حوالے اس تعلق سے بیان فرمائے ہیں تفصیل وہیں سے جانیے ۱۲۱۹ھ میں جب حجاز مقدس پر وہابیوں کا تسلط ہوا اور وہابیوں نے لوگوں کے جان و مال بلکہ ایمان پر شب خون مارنے کی کوشش کی تو مکہ معظّمہ، مدینہ منورہ، مصر، شام، اور دیگر ممالک کے مسلمانوں نے حج کو ملتوی کیا جس کی تفصیل مکہ معظّمہ کے مفتی شیخ سید احمد زینی دحلان، کی کتاب تاریخ خلاصۃ الکلام فی امراء البلد الحرام، میں دیکھی جاسکتی ہے۔

الغرض تاریخ اسلام میں زمانہ حج میں مسلمانوں کے غیر مامون ومحفوظ ہونے کی بنیاد پر حج کی فرضیت کے سقوط اور التوائے حج کے جواز کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ ہم یہاں ان سارے واقعات سے قطع نظر صرف بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں علمائے اہل سنت کی طرف سے چلائی گئی تحریک التوائے حج کی اجمالی روداد بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔ سب سے پہلے ہم حجاز مقدس پر نجدی بربریت کی چند مثالیں تاریخ کے حوالے سے پیش کریں گے۔ بعد میں التوائے حج کی تفصیل، اور التوائے حج کے خلاف اٹھنے والے فتنوں کا ذکر۔ اور آخر میں علمائے اہل سنت خاص کر حضور مفتی اعظم ہند پر کئے گئے چند اعتراضات کے جوابات قلمبند کریں گے۔

حجاز مقدس میں نجدی بربریت:

امرت سر کے مشہور اخبار الفقیہ اور دیگر اردو اخبارات میں حجاز مقدس میں نجدیوں کی وحشیانہ حرکتوں کی تفصیلی رپورٹ موجود ہے البتہ یہ اوراق اس تفصیل کے متحمل نہیں ہیں ہم یہاں بس دو چند نمایاں شخصیات کے بیانات پر اکتفا کرتے ہیں۔ اخبار الفقیہ میں حضور مفتی اعظم ہند کی ایک تفصیلی تحریر شائع ہوئی جس میں نجدی بربریت کا ذکر کیا گیا اور نجدی ہواخواہوں کی خوب خبر گیری کی گئی ہے۔ حضور مفتی اعظم ہند فرماتے ہیں:

'' وہابیہ نجدیہ اپنے کو حنبلی کہتے ہیں۔ مگر فقہا نے انہیں خارجی بتایا ہے۔ ان کا اعتقاد ہے کہ بس دنیا میں وہی مسلمان ہیں اور سب مشرک مباح القتل۔ انہوں نے حرمین طیبین میں علما اور سادات کو اپنے اسی عقیدے کی بنا پر شہید کیا ہے۔ اور ان کے مال لُوٹے ہیں۔ (کذا فی ردالمحتار)

اس وقت کے نجدی بدمذہبی وگمراہی اور ظلم وستم اور قتل وغارت میں پہلے نجدیوں سے بدرجہا بڑھ گئے ہیں۔ اور ان سے اسلام اور مسلمانوں کو وہ ضرر پہنچ رہے ہیں جنہوں نے حجاج اور یزید کو بھی شرما دیا ہے۔ آج عرب کی سرزمین بے گناہوں کے خون سے رنگی ہوئی ہے۔ اور نجدی فراعنہ خذلہم اللہ تعالیٰ وہ طوفان برپا کررہے ہیں جس کو سننے سے جگر شق ہوتا ہے۔ معتبر ذرائع سے پیہم جو خبریں موصول ہورہی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ نجدیوں کے داخلہ سے پہلے شریف طائف نے راہِ فرار اختیار کی اور طائف، شریف نے خالی کردیا۔ باشندگانِ طائف نے نجدیوں سے مقابلہ نہ کیا۔ نہ ان میں اس کی قوت تھی۔ بلکہ انہوں نے امن کی درخواست کی۔ دعوتیں دیں۔ ہتھیار گھروں سے نکال نکال کر باہر پھینک دئے۔ تاکہ ان کی نسبت کسی قسم کے مقابلے کا وہم پیدا نہ ہوسکے۔ لیکن باوجود اس کے نجدیوں نے قتل عام کیا۔ علماء ومشائخ، امرا و تجار، ہر طبقہ کے لوگ بے دردی سے قتل کئے گئے۔ بوڑھوں، بچوں، عورتوں، مَردوں کا کوئی امتیاز نہ تھا۔ ایک روز میں تین کروڑ روپے کی مالیت نجدیوں کو لوٹ سے حاصل ہوئی۔ صحابہ کے مزارات کی بے حرمتی کی گئی۔ حضرت عبداللہ بن عباس صحابی جلیل الشان کا قبّہ مزار شریف گولیوں کا نشانہ بنایا گیا۔ اور آخرکار مسمار کردیا۔ اور توہین کے لئے نجدیوں نے پکارا کہ عبداللہ ابن عباس اگر تم میں کچھ سکت ہے تو اپنے پرستاروں کو بچاؤ۔ مسلمانوں کو قتل کرتے وقت یہ اشقیا نعرے لگاتے تھے: نقتل اعداء اللہ لامان اللہ۔ ہم اللہ کے دشمنوں کو قتل کرتے ہیں۔ اللہ کو امن دینے کے لئے۔

لوٹ کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ لوگوں کے بدن سے کپڑے اُتار لئے، جوتیاں چھین لیں۔ عورتوں کی بے حرمتی کی گئی۔ عرب خواتین ننگی منزلوں پیادہ چلائی گئیں۔ تین روز تک طائف کے بے گناہ مسلمان قید کئے گئے۔ ان پر پانی بند کیا گیا۔ مکہ مکرمہ میں شیدی صاحب کلید بردار کعبۂ مقدسہ اوران کا خاندان اور دوسرے اور معزز خاندان تیغ جفا سے شہید کر دیئے گئے۔ اہلِ مکّہ جانوں کے اندیشے سے دشت بہ دشت مارے مارے پھر رہے تھے۔ مکہ مکرمہ کی اکثر آبادی تو گھر چھوڑ کر آوارہ ہو چکی تھی۔ باقی پنجۂ ظلم کے اسیر ہیں۔ اُن گرفتاران بلا کو قید سے آزاد کرنے کے لیے کثیر رقمیں طلب کی جاتی ہیں۔ اللہ تعالی کرم فرمائے اور جلد ان ظالموں کو ان کے ظلموں کی سزا دے۔ ہندوستان کے وہابی آپے سے باہر ہیں۔ علمائے مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ نے ان پر کفر کے فتوے دئے ہیں۔ انہیں مرتد بتایا ہے۔ انہیں اہلِ حرمین سے اس کے بدلے لینے ہیں۔ اس لیے یہاں کے وہابی، نجدیوں کے مظالم پر رات دن پردے ڈال رہے ہیں۔ اور اخبارات میں ان کی بے گناہی ثابت کرنے کی کوششیں کر رہے ہیں۔ اکثر اخبار وہابیوں کے ہاتھ میں ہیں اور وہ صحیح واقعات اور نجدیوں کے مظالم چھاپنے سے گریز کرتے ہیں۔ اسی بنا پر ہماری طرف سے جو مضامین اخبارات کو پہنچتے رہے ان کو شائع نہیں کیا گیا۔ آپ خود اس باغی، غدّار، بے دین، فرعونِ وقت کے انکار جرم کو اس کی بے گناہی کی سند ٹھہرا رہے ہیں۔ اور اس نجدی کی تائید کے لیے ہندوستان سے وفد بھیجنے کی تجویز کر رہے ہیں۔ مسلمان ہوشیار رہیں۔ ان کے دغا وفریب میں نہ آئیں۔ کوئی وفد جو اہلِ سنّت کے سوا دوسرے افراد پر مشتمل ہو ہندوستان کے مسلمانوں کا نائب و قائم مقام نہیں ہے۔ اور اخباروں کی غوغا صرف چند وہابیوں کی آواز ہے۔ ہندوستان کے کروڑوں مسلمان وہابیوں کے مظالم سُن کر بے چین ہیں۔ اور اگر نجدی اس وقت اس طرح کے مظالم نہ کرتے تو یہی مسلمانانِ عالم ان کے تسلّط کو ارضِ پاک میں ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا نہ کر سکتے تھے۔ ان سے نفرت و بیزاری کے لئے ان کی بدمذہبی اوران کے باطل عقیدے کافی ہیں۔ اور یہ مظالم تو ان کے عقیدے ہی کی بنا پر ہیں۔ آج نہ کرتے تسلّط ہونے پر کرتے۔ ہندوستان کے گوشے گوشے سے نجدیوں کے خلاف صدائیں اُٹھ رہی ہیں اور خود شریعت کا فتوے ان کو باغی اور بے دین قرار دیتا ہے۔ تو پھر کون مسلمان ہے جو ان کی تائید کر سکے اور کس کی بات شریعت کے مقابل قابلِ التفات ہو سکے۔"

(فقیر مصطفیٰ رضا قادری برکاتی نوری عفی عنہٗ [الفقیہ، ۱۴ر دسمبر ۱۹۲۴ء، ص ۷، ۸]

حضور صدر الا فاضل فرماتے ہیں:

"آہ آج وہ حالات اس سرزمین مقدس میں اس بلد امین میں آرامگاہ سید المرسلین (صلوات اللہ وسلامہ علیہ) رونما ہیں۔ نجدی وحشیوں کی وحشت وبربریت ظلم وستم جور وجفا بے رحمی وسفا کی بے حیائی وبیبا کی سے آج وہ بلاد طاہرہ برباد ہو رہے ہیں۔ وہاں کی مخلوق کو چین کی زندگی میسر نہیں ہے۔ امراء ورؤسا کے گھروں کے اسباب ان کی آنکھوں کے سامنے نیلام ہوتے ہیں۔ اور وہ بول نہیں سکتے ان کے یہاں فاقے ہیں وہ مصیبت سے دم توڑ رہے ہیں۔ اگر کسی بیرونی شخص نے انہیں کچھ دیدیا وہ بھی نجدی چھین لیتے ہیں۔ بات بات پر بلکہ بے بات مار پیٹ زدوکوب قتل وخون تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ آج باشندگان حرمین کے خون کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ دنیا میں کوئی اس کا قصاص لینے والا نہیں۔ بے رحم درندے حکومت کر رہے ہیں درندوں سے بھی جو وحشت وبدتمیزی نہیں ہو سکتی وہ نجدیوں کے ہاتھوں ہو رہی ہے۔ بہت سے علما، مشائخ شرفا اپنے جان وایمان کو بچانے کے لئے بھاگ گئے ہیں۔ معلوم نہیں آوارگی انہیں کہاں اور کس حال میں لئے پھرتی ہے۔ بچے ماں اور باپ کو ترستے ہیں ماں باپ کو اولاد کی خبر نہیں ہے۔ ستم کا وہ طوفان برپا ہے کہ شاید دنیا کی آنکھوں نے کبھی نہ دیکھا ہو۔ طائف ومدینہ طیبہ ومکہ مکرمہ کی پاک ومقدس سرزمین کس سنگدلی کے ساتھ روندی گئی ہے۔ مسلمانوں کو قتل کر کے ان کی لاشوں کو گھوڑوں اور گدھوں کے پاؤں میں باندھ کر گھسیٹا گیا ہے۔ ہر مومن ان مردم خور وحشیوں کے عقیدے میں مشرک مباح الدم ہے۔ مسلمانوں کا قتل کرنا ان کے نزدیک بہترین عبادت ہے۔ اسی پردہ اور ہندوستان کے نجدی

انہیں غازی کہتے ہیں۔مسلمانوں کے لئے اس سے بڑھ کر صدمۂ روح فرسا اور کیا ہوگا۔"

[السواد الاعظم مراد آباد، رجب المرجب ۱۳۴۵ھ ص ۱۳، ۱۴]

"مولانا نثار احمد صاحب کانپوری مفتی جامع مسجد آگرہ ورکن وفد جمیعۃ العلماء اپنے بیان میں کہتے ہیں کہ "زیارت کی اجازت نہیں بلکہ ابن سعود کی طرف سے ممانعت ہے اس نے سرکاری اخباروں میں یہ اعلان کر دیا کہ مآثر ومزارات کی زیارت کرنے والوں کو اگر میری فوج کی طرف سے کوئی نقصان پہنچے تو اس کی چارہ جوئی نہیں کی جاسکتی نجدیوں نے رمی جمار اونٹوں پر بیٹھ کر کیا اور اونٹوں کو اس قدر زور سے بھگاتے تھے جس کے باعث حجاج کو سخت چوٹیں آئیں۔ایک عورت بیہوش ہوگئی دوسری کا انتقال ہوگیا۔

(ہمدرد ۲۴؍جولائی ۱۹۲۶ء، بحوالہ اخبار الفقیہ ،۲۱؍دسمبر ۱۹۲۶ء ص ۷)

خواجہ محمد اکرم وخواجہ محمد اعظم رئیس لدھیانہ کا بیان ہے کہ:

"حاجیوں کے ساتھ بہت براسلوک کیا جاتا ہے ذرا ذرا سی بات پر نجدی حاجیوں کو زدوکوب کرتے تھے"

(انیس لدھیانہ ۱۵؍جولائی ۱۹۲۶ء، بحوالہ ۲۱؍دسمبر ۱۹۲۶ء ص ۸]

ہندوستان سے جو سیاسی وفد حجاز مقدس کے حالات کی تحقیق کی غرض سے گیا تھا اس میں سروسرواں مولانا محمد علی صاحب تھے انہوں نے حجاز سے وہاں کے حالات کی تحقیق کے تناظر میں ایک تفصیلی خط روانہ کیا تھا جسے الفقیہ میں شائع کیا گیا البتہ دوسری اشاعت میں اس خط کا خلاصہ بھی شائع ہوا ہم اسی خلاصہ کو پیش کرتے ہیں۔اخبار لکھتا ہے

"اس مکتوب میں مولانا نے واقعات سے ثابت کیا ہے کہ نجدی وحشی ہیں بہائم ہیں وحوش سے بدتر ہیں عقائد کی جنگ حجاز میں جاری ہے ابن سعود بندوبست نہ کرسکا تب مصریوں نے محمل پر حملہ ہونے کی وجہ سے نجدیوں پر گولی چلائی پنجابی وہابی ابن سعود کے مجاہد بننا چاہتے ہیں مقبرے اور مآثر گرادئے گئے ہیں مذہبی آزادی موجود نہیں حرم میں روشنی نہیں ہوتی حجر اسود کا چومنا مشکل ہے حاجیوں کو نجدیوں نے اونٹوں کے پاؤں تلے روند کر شہید کیا موتمر سے مولانا مایوس ہیں رشید رضا ابن سعود کے زرخرید غلام ہیں اور مولانا محمد علی کی نظروں میں ابن سعود اس قابل بھی نہیں کہ اس کو جمہوریہ حجاز کا صدر بھی بنایا جائے۔"

[۲۸؍جولائی ۱۹۲۶ء ص ۳، ۴]

یہی محمد علی صاحب بیان دیتے ہیں کہ:

"نجدیوں کی بے رحمی نہیں تو بے خیالی نے پریشان کر دیا تھا اور بعض جانیں بھی اسی طرح ضائع ہوگئیں مگر حکومت کا ایک سپاہی پولیس والا کہیں نظر نہیں آتا تھا نجدی وحوش کو انہوں نے یہی تعلیم دی تھی کہ تمام مسلمان کافر و مشرک ہیں اور قبر پرست اور ان کا مارنا جہاد ہے۔

(ہمدرد ۲۴؍جولائی ۱۹۲۶ء، بحوالہ اخبار الفقیہ ،۲۱؍دسمبر ۱۹۲۶ء ص ۷)

تحریک التوائے حج کا مقصد:

جب علمائے اہل سنت کے سامنے حجاز مقدس پر مسلمانوں خاص کر حجاج کے جان ، مال،عزت اور ایمان کے غیر مامون ومحفوظ ہونے کی متواتر شہادتیں موصول ہوچکیں تو سوائے اس کے اس سے نمٹنے کا اور کوئی چارہ نظر نہیں آیا کہ مسلمان اس زمانہ میں حج کو ملتوی رکھیں جیسا کہ حضور صدر الافاضل فرماتے ہیں۔

"ان صدمات نے عالم اسلام کو درہم برہم کر دیا ہے اور دنیائے اسلام اس مصیبت سے خلاص حاصل کرنے کے لئے بے چین ہے۔لیکن دشمن صاحب قوت ہے اس کے پاس فوج بھی ہے لشکر بھی ہے سامان جنگ اور آلات حرب بھی ہیں اس کی مدافعت کے لئے بے دست وپا اور دور افتادہ مسلمانوں کے پاس کوئی کارگر حربہ نہیں ہے مدتیں انہیں فکروں میں ہوگئیں مگر کوئی تدبیر ایسی ہاتھ نہ آئی جس سے اس ظالم کو دفع کیا جاسکے آخر کار اہل الرائے کا اسی پر اتفاق ہوتا ہے کہ اس موذی کو دفع کرنے اور بلاد طاہرہ کو اس کے شر سے محفوظ کر لینے کے لئے اگر کوئی تدبیر ہوسکتی ہے تو یہی کہ حاجی اس کے زمانۂ تسلط تک حج کو نہ جائیں۔حجاز میں نہ ولایت کی طرح کارخانے ہیں نہ ہندوستان کی طرح زراعت ہے حاجیوں ہی سے لوٹ کھسوٹ کر بے محابا ٹیکس لے کر اور۔۔۔۔۔(بقیہ صفحہ 29 پر)

مصاحبات

(ادارہ)

استاذ العلماء حضرت مفتی ناظر اشرف نوری

سے ایک ملاقات

استاذ الاساتذہ حضرت علامہ مولانا مفتی ناظر اشرف صاحب قبلہ جماعت اہلسنت کے معتمد اور نمائندہ عالم وفقیہ ھیں۔ زندگی کا بیشتر حصہ آپ نے ناگپور میں گذارا، وہاں گزارے ہوئے لمحات جماعت اہلسنت کے تحفظ وبقا کے لیے بڑی مؤثر ثابت ہوئی۔ مہاراشٹر کا قابل ذکر تعلیمی ادارہ دار العلوم اعلیٰ حضرت آپ کے خدمت کی زندہ تصویر ھے۔ مختلف موضوعات پہ فیصلہ کن دلائل پر مبنی کتابیں آپ کی علمی یادگار ھیں۔ اعلیٰ حضرت سے بے لوث عشق اور تاج الشریعہ کی بے پناہ محبت نے علمی اعتبار سے آپ کو گرم سفر رکھا ھے۔ ذیل میں ان کی زندگی کے احوال اور خدمات کے گھرے نقوش کی چند جھلکیاں اس انٹر ویو میں ملاحظہ کریں۔ ادارہ الرضا اس انٹرویو کے لیے ان کا مشکور ھے۔ (ادارہ)

سوال: آپکی علمی شخصیت متعارف اور مشہور ہے۔ مگر سوانح پہلو سے لوگ آشنا نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنی ابتدائی زندگی، تعلیمی مراحل، اور فراغت کے احوال سے ہمیں آگاہ فرمائیں؟

جواب: شمالی بہار کا مشہور ضلع پورنیہ جسکا ایک حصہ منفصل ہوکر ضلع کشنگنج بن چکا ہے۔ اس کی تحصیل بہادر گنج ایل، آر، پی چوک سے جانب مشرق موضع بھدیسر (Bhadesar) میں پیدا ہوئے۔ یہ تحقیق سے ثابت ہے کہ وہ سن ۱۹۵۶ء تھا۔ مگر تاریخ، یوم اور ماہ معلوم نہیں ہے۔

خاندانی اعتبار سے میرا خاندان بھی اعلیٰ نسب اور شرافت کے لحاظ سے علاقہ میں مشہور ومعروف تھا مگر اب معاشی بحران کا شکار ہے۔ بہت سے زمیندار بھی میرے رشتہ دار تھے۔ قبرستان، عیدگاہ اور جمعہ مسجد کیلئے میرے پردادا شیخ محمد جاگیردار نے کئی ایکڑ زمین وقف فرمائے تھے۔ وہ سب آج بھی موجود ہیں۔ مگر بہت سے حصص پر اغیار قابض ہیں۔

ابتدائی تعلیم: رسم بسم اللہ خوانی اپنے جد کریم منشی امیر الدین وارثی علیہ الرحمۃ والرضوان سے ہوئی اور ان سے ہی قرآن مجید پڑھا اور پھر ۱۹۶۲ء میں مدرسہ نظام المسلمین کا قیام عمل میں آیا۔ اسی مدرسہ میں فارسی کی پہلی، دوسری، گلستاں، بوستاں، اخلاق محسنی، میزان الصرف، باکورۃ الادب اور اردو کی چوتھی تک کی تعلیم امام علم وفن علیہ الرحمۃ والرضوان کے بھتیجے حضرت العلام خواجہ محمد اسماعیل صاحب رضوی قبلہ مدظلہ العالی سے حاصل کی۔ اور ہندی حساب کی قدرے تعلیم ماسٹر بدیع الزماں صاحب سے حاصل کرنے کے بعد، میرے مشفق استاذ حضرت خواجہ اسماعیل صاحب رضوی قبلہ نے اپنے عم محترم امام علم وفن علیہ الرحمۃ والرضوان کے حوالے کر دیا اور ۱۹۷۶ء میں مدرسہ فیضیہ نظامیہ۔ ایشی پور (Eshipur) بھاگلپور بہار میں امام المعقولات حضرت علامہ محمد سلیمان صاحب اشرفی بھاگلپوری علیہ الرحمۃ والرضوان نے میرے سر پر دستار رکھا اور ہم نے تحصیل علم سے فراغت لے لی۔

سوال: آپ کے قابل ذکر اساتذہ سے متعلق کچھ ارشاد فرمائیں۔ کن کن سے آپ نے اکتساب فیض کیا؟

جواب: ڈاکٹر صاحب! میری تعلیمی زندگی، ترک وطن کے بعد صرف پانچ سال کچھ ماہ ہے۔ تین سال جامعہ عربیہ سلطان پور (یوپی) ایک سال، میرٹھ (یوپی) پانچ ماہ، بریلی

شریف۔اورایک سال بھاگلپور(بہار)

(الف) امام النحو صدر العلماء حضرت سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمۃ والرضوان سے مدرسہ اسلامیہ اندرکورٹ میرٹھ میں بار دیگر میزان الصرف ،صرف میر ،نحومیر مع ترکیب، ایسا غوجی، بالاستیعاب پڑھی۔

(ب) مبلغ افریقہ حضرت العلام مفتی محمد ایوب مظہر پورنوی علیہ الرحمہ سے شرح مائۃ عامل ،ھدایۃ النحو ،کافیہ ،علم الصیغہ ،نور الایضاح قدوری، اصول الشاشی ،صغریٰ کبریٰ ، مرقات، شرح تہذیب، القرأۃ الراشدہ، ھدایہ اول، مشکوٰۃ شریف کی تعلیم بڑی محنت ولگن کے ساتھ حاصل کی۔

(ج) شیخ المعقولات حضرت علامہ معین الدین اعظمی علیہ الرحمہ سے، نورالانوار، پڑھی۔

(د) امام النحو حضرت علامہ مفتی محمد بلال احمد رضوی صاحب قبلہ مدظلہ سے شرح جامی (بحث محصول) تک پڑھنے کا اتفاق ہوا اور امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین علیہ الرحمۃ والرضوان سے ہدایۃ الحکمت ،میبذی مع عین القضاۃ ،صدرا، ملاحسن، ملا جلال میر زاہد رسالہ قطبیہ میر زاہد، مسلم الثبوت ،تصریح الافلاک، زبدۃ التوقیت، اور علم الفرائض کی تعلیم حاصل کی اور القول الاسلم علیٰ شرح السلم ،تحریر کندیا ،لواء الھدیٰ ،مصباح الدجیٰ زیر مطالعہ رہا اور جہاں فہم سے وریٰ ہوتا، امام علم وفن کی طرف رجوع کرتے وہ میرے گھنٹوں کی جانفشانی کولمحوں میں سمجھا دیتے تھے۔ میں نے اپنے اساتذۂ کرام سے جو کچھ پڑھا تھا ان سب کتابوں کو پڑھانے کا بھی اتفاق ہوا اس کے علاوہ فیاض ازلی وابدی نے فضیلت تک کی جملہ سابقہ مروجہ کتب متداولہ کے پڑھانے کا بھی شرف بخشا فالحمدللہ علیٰ ذٰلک۔

سوال: حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ آپ کے مشفق استاد رہے ہیں۔ وہ متعدد علوم وفنون کے حامل تھے۔ آپ نے اس سلسلے میں انہیں کیسا پایا؟

جواب: حقیقت یہ ہے کہ صدر العلماء میرٹھی صاحب علیہ الرحمہ کے بعد ان کے پایہ کے ذی علم استاد میں نے کسی کو نہ پایا۔ وہ ہرفن مولیٰ تھے علوم عقلیہ میں ان کے جوڑ کا کوئی عالم ہندو پاک میں نہ تھا ،علوم نقلیہ میں بھی وہ دستگاہ کامل رکھتے تھے، ریا ونمود سے ان کی زندگی پاک تھی ،غرور وتکبر سے کوسوں دور تھے۔ اور بزرگوں کی بارگاہوں کے مؤدب بھی تھے ،خوش خلقی ان کے سرشت میں تھی۔ وہ ہرچھوٹے بڑے طالب علم سے یکساں گفتگو فرماتے ،کسی بھی جماعت کے طلبہ ہوں، من جانب اللہ خصوصاً ذہین طلبہ ان سے قریب ہو جاتے اور جس فن کی کتاب لیکر استفسار کے لئے حاضر ہوتے کبھی انکار نہیں فرماتے بلکہ ان کی پیشانی پر مسرت وشادمانی کی لہر دوڑ جاتی خواہ کتنا ہی اہم مسئلہ ہو، دقیق بحث ہو، اس کی عقدہ کشائی کبھی زبانی اور کبھی چند لمحے کتاب دیکھ کر فرمادیتے اور اعتراضات کے ایسے معقول ومدلل جوابات عنایت فرماتے۔ کہ طلبہ بھی مسرور وشادماں ہوکر ان کے پاس سے اٹھ کر جاتے ہوئے کہنے لگتے کہ ارے یار! ہم سبھوں کے اعتراضات، ریت کے گھروندوں یا سمندر کے حباب کی طرح کالعدم ہوگئے۔

سوال: آپ کی زندگی کا قیمتی حصہ ناگپور میں گذرا، یہیں آپ نے تدریسی خدمات بھی انجام دیں، پھرایک مدرسہ کی بنیاد رکھی یعنی عمر کا قیمتی لمحہ اور اپنا مستقبل شہر سے وابستہ کر رکھا ہے۔ اس کی کوئی خاص وجہ یا خاص کشش؟

جواب: ڈاکٹر صاحب! میں نے کبھی خیال بھی نہیں کیا تھا کہ میری حیات کا قیمتی لمحہ ناگپور کے نذر ہوجائیگا ،مگر تقدیر کا لکھا مٹتا نہیں اور مولیٰ علی مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا کا قول ہے۔ **عرفت ربی بفسخ العزائم** یہ قدرت کاملہ کا راز ہے، اس کو وہی جانتا ہے، وہی علام الغیوب والشہادۃ ہے۔

سوال: باصلاحیت علماء اور مفتیان کرام سے یہ شہر مالا مال ہے، اس سے یہ سمجھا جارہا ہے کہ یہاں سنیت اور اہل سنت کا بول بالا ہے۔ اور جماعتی اعتبار سے اس شہر کا مستقبل تابناک ہے، اس سلسلے میں آپ کیا کہنا چاہیں گے؟

جواب: ڈاکٹر صاحب! یہ صحیح ہے کہ یہاں سنیت اور اہل سنت کا بول بالا ہے ،لیکن موجودہ حالات کے پیش نظر ایسا

محسوس ہوتا ہے کہ جماعتی اعتبار سے شہر ناگپور کا مستقبل تابناک نہیں ہے۔علمائے اہل سنن کو ایک دھاگے میں پرونے والی شخصیتیں اب ضعف ونقاہت کا شکار ہو چکی ہیں اور نوجوان طبقہ کے علماء کسی بھی مسئلہ کو ایک ساتھ بیٹھ کر حل کرنا نہیں چاہتے اور کسی بھی دینی وملی مسئلہ میں جاہل و نادان عوام دخیل کار ہو کر سلجھے ہوئے مسئلوں کو بھی الجھانا چاہتی ہیں، اب ایسی صورت حال میں مستقبل کا خدا ہی حافظ و ناصر ہے۔

سوال: تدریس وتقریر کے ساتھ تصنیف وتالیف سے بھی آپ کا تعلق رہا ہے، کچھ ارشاد فرمائیں، اب تک آپ کی کتنی تصانیف مکمل ہوئیں۔اور کتنی منظر عام پر آئیں۔اور مزید کون سی کتابیں تصنیف کے مرحلے میں ہیں؟

جواب: میری مطبوعہ تصانیف، میرے بعض رسائل کے ٹائیٹل پیج پر موجود ہیں جن کی تعداد سولہ تک ہیں۔اور امام محمد قرطبی علیہ الرحمۃ والرضوان کی تفسیر قرطبی میں تعوذ وتسمیہ کے تعلق سے جو علمی نکات ہیں اس کا عربی سے اردو ترجمہ کمپوز کے مراحل سے گزر چکا ہے۔اور فی الحال ایک رسالہ "ھادی الامام علیٰ غایۃ المرام" طباعت سے آراستہ ہو رہا ہے۔مضامین کی تعداد تقریباً پینتالس اور میرے فتاویٰ پر بھی کام کا آغاز کر دیا گیا ہے۔

سوال: آج اہل سنت وجماعت کے مقابل صلح کلی پنپ رہی ہے۔سو سال قبل جب ندویت کے پردے میں صلح کلیت نے سر ابھارا تھا۔تو اس وقت کے علمائے اہل سنت بالخصوص تاج الفحول مولانا شاہ عبد القادر بدایونی اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری علیہما الرحمہ نے اس کے خلاف تحریک چلائی تھی اور ملک کی بڑی بڑی خانقاہوں کے سجاد گان وو ابستگان نے بھی اس تحریک میں بھر پور حصہ لیا تھا اور صلح کلیت کا رد بلیغ فرمایا تھا۔مگر آج انہیں خانقاہوں کے بعض افراد صلح کلیت کے حامی بن کر ابھر رہے ہیں، اس کی پر زور وکالت کر رہے ہیں۔ بلکہ اس کے استحکام کے لئے کوشاں ہیں۔جماعت اہل سنت کے لئے یہ صورت حال تکلیف دہ بھی ہے اور لمحہ فکر یہ بھی۔آپ کے نزدیک اس کے اسباب اور اسکے تدارک کی کیا صورت ہے؟

جواب: جن خانقاہوں کے بعض افراد صلح کلیت کے حامی بن کر ابھر رہے ہیں۔اور اس کے استحکام کے لئے کوشاں ہیں۔ میرے نزدیک اس کے اسباب ووجوہ مندرجہ ذیل ہو سکتے ہیں۔

(۱) دینی ومسلکی خلوص وللّہیّت کا فقدان۔
(۲) خاندانی وجاہت کی طرف عدم التفات۔
(۳) اپنے آباء واجداد کے تصلب فی الدین سے صرف نظر۔
(۴) زر طلبی، جاہ طلبی اور شہرت کی خواہش۔
(۵) علم دین کی تقلیل، تقویٰ وتورع سے معریٰ، پدرم سلطان بود کا نعرۂ معلیٰ، صحبت یار بد، بدتر از مار بد کا تداخل، بازاری سیاست دانوں کا تخلل، یہ سب وہ اسباب ووجوہ ہیں۔جو انسان کو انسانیت سے دور کر کے قعر مذل میں ڈھکیل دیتے ہیں اور سفہاء وبلہاء کی صفوں میں لے جا کر ان کی مثبت فکر کو مسلوب کر دیتے ہیں، بالآخر یہ سب مفسدات، غیر مثبت نظریہ کو اپنا عندیہ بنا ڈالتے ہیں اور بہت سے افراد ان مفاسد کا شکار ہو کر دنیا وآخرت دونوں سے اپنا ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ایسی صورت حال میں جماعتی سطح پر کسی ملک گیر تنظیم کا نہ ہونا اور افہام وتفہیم کے لئے نرم روی اختیار نہ کرنا بھی راہ مستقیم سے انفصال کا باعث ہے۔لیکن کیا کہوں! ان پلیدی ذہانت رکھنے والوں کو جو "انا خیر منہ" کے گرد طواف کر رہے ہیں۔ان کے لئے جب نرم روی بے سود ثابت ہو جاتی ہے اور پانی سر سے اونچا ہو جاتا ہے تو باڑھ باندھنے کے لئے ہزاروں پھاوڑوں کا استعمال کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے (ماضی قریب میں ایسا ہی ہوا)

تدارک کی پہلی صورت تو یہ ہے کہ۔جن خانقاہوں کے بعض افراد سے صلح کلیت پنپ رہی ہیں اور وہ بعض افراد حامی بن کر ابھر رہے ہیں اور صلح کلیت کے استحکام کے لئے جدو جہد کر رہے ہیں اسی خانقاہ کے مؤثر افراد افہام وتفہیم کریں۔تو مسلکی تصلب کی طرف رجحان کی توقع کی جا سکتی ہے۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ اگر اس خانقاہ میں کوئی با اثر

فرد نہیں ہے تو جو حضرات اس خانقاہ کے افراد کے لئے مؤثر ثابت ہو سکتے ہیں ان حضرات سے روابط قائم کر کے صورت حال کے صحیح خد وخال کی طرف توجہ مبذول کرانے میں لازمی نتیجے کا سبب بن سکتا ہے اور اگر مذکورہ دونوں صورتیں مثبت اقدام کے لئے کارگر ثابت نہ ہوں تو جماعتی سطح پر ایک تنظیم بنائی جائے اور اس تنظیم کے افراد بااثر و مخلص ہوں اور وہ حضرات منظم طور پر خانقاہ کے ان مفسد افراد کے پاس پہونچ کر معروضات کی شکل میں اپنے اپنے ضمیر کی آواز سے ان افراد کو مسلک کے تقرب کے فوائد و نتائج بتائیں۔فقیر کے نزدیک تدارک کی متذکرہ صورتیں مناسب معلوم ہوتی ہیں۔باقی۔یضل به کثیراً ویهدی به کثیراً۔

سوال: یہ صورت حال ایسی ہے جس سے جماعت کے نو جوان طبقہ آپس میں اپنی توانائیاں صرف کر رہے ہیں۔ایک دستہ ماہ نامہ "جام نور" دہلی سے وابستہ ہو کر مسلّمات پر حملہ کر رہا ہے۔کوئی ٹکڑا صلح کلی خانقاہ کی حمایت میں جٹا ہوا ہے کوئی مسلک اعلیٰ حضرت کے نعرہ کے خلاف کمر بستہ ہے۔تو کوئی اعلیٰ حضرت کی تحقیق حرف آخر نہیں کہہ کر جماعتی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے پر آمادہ ہے۔منفی سوچ رکھنے والا یہ باغی گروہ اپنا ہی ہے۔انہیں بڑی ہوشیاری سے زر طلبی کی حشیش دلاکر جماعت کا باغی بنایا گیا ہے۔بدلے ہوئے اس ماحول میں انکے گھر واپسی کی صورت کیا ہوسکتی ہے؟

جواب: ڈاکٹر صاحب !میری جسارت پر مجھے جو سزا دینا چاہیں دے سکتے ہیں۔مگر آپ جیسے دور رس مفتی کے قلم سے گھر واپسی کا جملہ بھلا نہیں معلوم ہوا کیونکہ اس لفظ کے استعمال کا موجد غیر مسلم ہے جیسے (جے ہو) کا معنیٰ زندہ باد ہی تو ہے مگر یہ لفظ کسی مسلمان کے زبان سے مسلمان کے لئے آپ نے بھی نہ سنا ہوگا اس کی وجہ آپ کو معلوم ہوگی تو گھر واپسی کی جگہ کوئی مناسب لفظ یا پھر تصلب فی الدین کی طرف مائل کرنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے وغیرہ وغیرہ استعمال کرنا مناسب تھا۔

بہر حال میں یہ عرض کرونگا کہ اگر مضیٰ ما مضیٰ۔معاف کرے پاک خدا۔الکاظمین الغیظ والعافین عن الناس مشربی اختلافات کو نظر انداز کر کے مشاہیر وغیر مشاہیر خانقاہوں کے سجاد گان اور جانشینوں کو مسلک اہل سنت و جماعت پر کسی مخصوص مجلس یا اجلاس یا کانفرنس یا سیمینار کے توسط سے یکجا کر کے متفق کرلیں اور ان کے ساتھ متواضع و منکسر المزاج علمائے کرام کا جتھا بھی ہو تو ان کے اثرات سے ملت مطہرہ کے اتحاد کے لئے راہ ہموار ہوسکتی ہے۔اور جو نوجوان طبقہ اپنی توانائیاں مسلک کے خلاف صرف کر کے اپنی آخرت برباد کرنے پر آمادہ ہو رہے ہیں۔وہ نوجوان طبقہ منفی سوچ کو ترک کر کے مثبت فکر کی طرف آمادگی کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔

سوال: دو سال بعد چودہ سو چالیس ہجری میں جشن صد سالہ امام احمد رضا منایا جائیگا۔اپنے اپنے اعتبار سے مدرسہ، تنظیم اور ادارے والے اس کی تیاریاں کر رہے ہیں۔اس جشن کو کامیاب اور تاریخی بنانے کے لئے کیا کچھ کیا جانا چاہئے؟

جواب: میری ناقص رائے یہی ہے کہ اس جشن کو عالمی طور پر کامیاب اور تاریخ ساز بنانے کے لئے وہی طریقۂ کار اختیار کرنا چاہئے، جس طرح عظیم آباد پٹنہ میں سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا کے تجدیدی کارناموں کی وجہ سے چودھویں صدی کا مجدد تسلیم کرنے کے لئے طریقۂ کار اختیار کیا گیا تھا۔اس سلسلے میں تحریری و تقریری طور پر ملک گیر پیمانے پر تحریک چلائی جائے۔اور دانشوران قوم ملت سے مشورے طلب کئے جائیں۔

(الف) حسام الحرمین الشریفین پر دستخطی مہم چلائی جائے۔
(ب) اس کے لئے مناسب مقام متعین کیا جائے۔
(ج) فنڈ کی فراہمی کے لئے اہل دول حضرات اور علمائے کرام کی ایک مشترکہ کمیٹی تشکیل دی جائے۔
(د) ہندوستان کے جتنے صوبہ جات ہیں اور ان میں جتنے اضلاع ہیں۔ہر ضلع سے کم از کم پانچ عالم دین اور پانچ صاحب ثروت کو کمیٹی میں شامل کئے جائیں۔
(ہ) اہل سنت وجماعت کے مشائخ کرام، مفتیان اعلام، علمائے اسلام، خطباء و مقررین، صحافی وقلمکار حضرات کو مدعو کئے جائیں۔

مصاحبات

(و) اس کے علاوہ جماعت اہل سنت کے مفکرین ومدبرین سے روابط قائم کرکے ایک عمدہ لائحہ عمل کی ترتیب عمل میں لائی جائے۔ جونتیجہ خیز ثابت ہو۔

(ز) منطقی اعتبار سے آپ اور آپ کی ٹیم کی فکر ونظر بڑے بڑے دانا وبینا کے افکار وانظار پر محیط ہے مجھ جیسے کم علم ونظر مشورے دینے کا استحقاق ہی نہیں رکھتا تھا مگر اس کے باوجود میں نے ہمت کرکے اپنی بساط علمی کو صفحہ قرطاس پر رکھ دیا ہے جشن صد سالہ امام احمد رضا کو کامیاب اور تاریخ ساز بنانے کے لئے میرے مشورے نہ حتمی وجزمی ہیں اور نہ ہی جشن کی کامرانی و تاریخی بنانے کے لئے اجزائے لاتنفک ۔ مدارس ،مکاتب ،تنظیموں اور جامعات کی انفرادی کامیابی وتاریخ ساز ہونے کی ضمانت نہیں دے سکتی جو اجتماعی صورت میں ممکن قوی ہے۔

سوال: دو ماہی الرضا مسلک جمہور کا نقیب، افکار امام احمد رضا کا اعتدال پسند ترجمان ہے۔ برصغیر کے کئی ممالک نے یہ پڑھا اور پسند کیا جارہا ہے آپ نے اسے کیسا پایا؟ الرضا کے قارئین کو آپ کیا پیغام دینا چاہیں گے۔

جواب: ڈاکٹر صاحب! مجھے آپ کی ذات پر آپ کی صحافت پر آپ کے رشحات قلم پر اعتماد کلی حاصل ہے آپ جو رسالہ نکال رہے ہیں وہ اعدائے دین کے لئے خنجر خوں خوار برق بار اور حاسدین ومعاندین کے لئے سیف جبار ثابت ہوگا۔ فی الوقت میرا ذہن استفتاؤں کے حصار میں ہے آپ کے دوماہی الرضا کے بنڈل موصول ہوئے ،فرصت کے اوقات نکال کر پڑھونگا ،ضرور پڑھونگا اور اپنی پسندیدگی ،اپنا تاثر اور اپنا پیغام قارئین کرام کے ضرور نذر کرونگا۔ اس وقت مہلت دیجئے۔ مولیٰ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کی اور آپ کے معاونین کی دینی وملی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ۱۲

□□□

(بقیہ: مکتوبات صدی) اس کا سلام وکلام ازلی ہے۔ اگر اس کا قدیم ارادہ اس مشت خاک انسان پر انعام واکرام کا نہ ہوتا تو روز ازل میں ان پر سلام نہ بھیجتا ایک بزرگ نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔ رباعی...

آن راکہ زمحبوب سلامے باشد
در حضرت ادبدو پیامے باشد
درحلقہ بندگانش خورشید منیر
قصہ چہ کنم کم از غلامے باشد

(جس خوش نصیب کو اس کے دوست کا سلام پہنچتا ہو اور اس کی بارگاہ سے برابر پیام آتے ہوں اس کی محفل میں اس تابنا کی کے باوجود آفتاب کی حیثیت ایک غلام کے برابر بھی نہیں) معراج کی رات میں خداوند تعالیٰ نے پہل کی اور فرمایا السلام علیك ایھا النبی (اے نبی تم پر سلامتی ہو) ایک بزرگ یہاں ایک نکتہ بیان کرتے ہیں کہ جب بچھڑے ہوئے دو دوست جدائی کے بعد آپس میں ملتے ہیں تو پہلے وہ سلام کرتا ہے جس کے دل میں شوق وولولہ زیادہ ہوتا ہے۔ اَنَا اِلیھم اَشَدُّ شَوْقاً (میں ان کے لیے بہت زیادہ مشتاق ہوں) اس کا یہی مطلب ہے۔ اور وہ جو تم نے سنا ہے کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کے ساتھ سلام کرنے میں سبقت فرماتے تھے تو اسی سنت کو برتتے تھے۔ والسلام (مکتوبات صدی، ص ۳۳۹، ۳۴۰۔ ۳۴۴)

□□□

امام احمد رضا اور معاشی نظریات

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری

روزی روزگار کا مسئلہ آج بڑا پیچیدہ اور بحث آرا مسئلہ ہے ہر فرد کی ضرورت اور اس کی اہمیت ہی کے پیش نظر باضابطہ طور پر اس نظریہ کو کالج و یونیورسٹی میں لازمی سبجیکٹ کے طور پر شامل نصاب کیا گیا ہے۔ معاشیات کے مختلف گوشوں پر اصلاحات کے نکات سے لبریز مقالات تیار کیے گئے ہیں اور کیے جا رہے ہیں۔ ماہرین کی جماعت ہے جو صبح و شام اسی فکر میں ہے کہ انفرادی و اجتماعی صوبائی و ملکی خوشحالی لانے کے اور سبز انقلاب برپا کرنے کی کیا کیا صورتیں ہو سکتی ہیں اور کون سی ترکیب ہو سکتی ہے جس سے نقصان و خسران سے بچا جا سکتا ہے اور نقصان ہو جانے پر بھرپور بھرپائی کی جا سکتی ہے۔ لیکن بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ جدید معاشی نظریہ سب سے پہلے امام احمد رضا نے پیش کیا ہے۔ مسلمانوں کی اقتصادی زبوں حالی، معاشی بدحالی دور کرنے اور اسے خوشحالی سے بدلنے کے لیے آپ نے "رسالہ تدبیر فلاح ونجات واصلاح" تحریر فرمایا جو 1912ء میں کلکتہ سے شائع ہوا۔ اپنے اس رسالہ میں آپ نے یہ چار نکات پیش کیے ہیں۔

(1) ان امور کے علاوہ جن میں حکومت دخل انداز ہے، مسلمان اپنے معاملات باہم فیصل کریں۔ تاکہ مقدمہ بازی میں جو کروڑوں روپے خرچ ہوتے ہیں پس انداز ہو سکے۔

(2) بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد دکن کے تونگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے بینک کھولیں۔

(3) مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں۔

(4) علم دین کی ترویج واشاعت کریں۔

یہ چار نکات اس وقت کے ہیں جب معاشی خوشحالی کی باریکیوں سے دنیا کے کان ناآشنا تھے اور اس عالم دین کے ہیں جس نے کالج و یونیورسٹی میں بغرض تحصیل علم کبھی قدم نہیں رکھا، مگر نکات ایسے گہر آفریں، اہمیت بدوش اور فکر انگیز ہیں کہ آج یونیورسٹیوں کی معاشی تھیوری اس کا طواف کر رہی ہے۔ پہلے نکات میں آپ نے ایک تیر سے کئی شکار کیا ہے۔ پہلا یہ کہ مسلمانوں سے آپ نے ہمدردانہ اپیل کی ہے کہ وہ پیسے کی قدر کریں۔ آپ روپیہ بیجا لٹا رہے ہیں اور کتنے آپ کے بھائی ہیں جو نان شبینہ کو ترس رہے ہیں۔ آپ مقدمہ لڑ کر مقدمہ بازی میں بے دریغ پیسہ خرچ نہ کریں، خدانخواستہ مقدمہ لڑنا ہی پڑ جائے تو اپنی عدالت میں مقدمہ لڑیں، ایسا نہیں ہے کہ ہماری قوم فکری گرفت وگذاشت سے خالی ہے، قوت فیصلہ سے محروم ہے۔ ہم میں ایک سے بڑھ کر ایک دیدہ ور، معاملہ فہم، باریک بین اور فکر سالم کے حامل افراد موجود ہیں۔ ہم اپنا معاملہ جب آپس میں مل بیٹھ کر حل کرنے کی لیاقت رکھتے ہیں تو دشمن دین وقوم انگریز اور دیگر غیر مسلم کی چوکھٹ پر انصاف کی بھیک مانگنے کیوں جائیں۔ اسلام عالمی اور دائمی مذہب ہے ہم دنیا کو بھیک دینے والی قوم ہیں ہم دنیا کو ہمہ نوعی کی بھیک دینے آئے ہیں، بھیک لینے نہیں آئے ہیں۔ پہلے ہم خود اپنی قدر کرنا سیکھیں اپنے مقام ومرتبہ کو سمجھیں۔ خدا نے ہمیں جو نعمت دی ہے اس نعمت سے خود فائدہ اٹھائیں اور دوسروں کو فائدہ پہنچائیں۔ اس لیے انگریزوں کی کچہری جانا چھوڑیں اپنی خالص اسلامی کچہری

کی بنیاد ڈالیں۔ یہاں پر اعلیٰ حضرت نے پس پردہ اسلامی عدالت کے قیام کی طرف واضح اشارہ کیا ہے۔ بعد میں جب آپ نے مسلمانوں کی حالت دگرگوں ہوتے دیکھی تو خود شرعی عدالت کا قیام کیا جس میں بحر العلوم علامہ عبد المنان صاحب اعظمی کے بقول اپنے خلف اصغر حضور مفتیِ اعظم ہند کو" قاضی" اور صدر الشریعہ و برہان ملت کو مفتی کی ذمہ داری بخشی تھی۔ آج لاکھوں نہیں کروڑوں روپے مقدمہ میں پانی کی طرح بہہ رہے ہیں۔ اگر ہم نے اعلیٰ حضرت کی تجویز پر عمل کیا ہوتا اور عدالت شرعیہ کو ضلع ضلع اور صوبہ صوبہ رائج و نافذ کیا ہوتا تو اپنی ایک شان بھی ہوتی، جمعیت کی اہمیت کا پتہ بھی چلتا۔ اسلامی احکامات کی برکات سے شہر شہر اور گاؤں گاؤں فیض یاب ہوتا۔ غلط فیصلے کے برے نتائج سے بھی بچتے اور مسلم قوم غیر مسلم کورٹ کے پیچھے لاکھوں روپے خرچ کر کے بدحال و کنگال بھی نہیں ہوتی۔ اگر بغور دیکھیے تو اعلیٰ حضرت نے اس ایک نکتہ میں تین ہدایات کی ہیں۔

(1) دولت پس انداز کرنے کے لیے باہم مقدمہ کا فیصلہ کرنا۔

(2) غیر کی دہلیز پر جانے کی ذلت سے محفوظ رہنا۔

(3) اسلامی عدالت قائم کر کے شرعی احکامات کے فیوض و برکات کو عالم آشکارا کرنا، خود فیض اٹھانا اور دوسروں کو فیض بار کرنا۔

(2) دوسرے نکتہ میں آپ نے ہندوستان کے پانچ بڑے شہروں کے نام لے کر وہاں کے مالدار مسلمانوں کو مہمیز کیا ہے۔ ان کی غیرت کو جھنجھوڑا اور ان کی حمیت کو للکارا ہے۔ کھلے لفظوں میں انہیں بینک کھولنے کی ہدایت دی ہے اور واضح کر دیا ہے کہ اسلام صرف نماز روزے کی دعوت نہیں دیتا وہ مسلمانوں کے چہرے سے غبار ملال مٹا کر مسکراہٹوں کے اجالنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ ان کی معاشی ابتری کو دور کرنے کی حکمت و تدبیر سے بھی لیس ہے اور یہی وہ مذہب ہے جو اپنے دائرہ کار و اختیار میں رہ کر زراندوزی کی راہ بھی دکھاتا ہے پیسہ پس انداز ہونے کے جتنے بھی طریقے ہو سکتے ہیں ان میں شرح نمو سب سے زیادہ بینکاری نظام میں ہے۔ اس لیے مسلمان بینک قائم کریں، قوم کو فارغ البالی کی محفوظ راہ پر لگائیں۔ پیسہ ہوگا تو قوم خوش حال ہوگی، قوم خوش حال ہوگی تو اس کی قدر و منزلت ہوگی، جب اس کی قدر و منزلت ہوگی تو دوسری قومیں اس کے قریب آئیں گی۔ اس طرح ہدایت کا نور دور دور تک پہنچانے کا موقع میسر آئے گا اور پیسہ ہوگا تو دین کا کام آگے بڑھے گا۔ دینی ضرورت کی تکمیل آسان ہوگی۔ تہی دست و دامن قوم عالمی اسٹیج پر اپنا کیا چہرہ دکھائے گی اس لیے ہر جائز طریقے سے روپیہ کماو، روپیہ بچاو اور ان میں سب سے مفید صورت بینکاری نظام کی ہے اس لیے اپنا بینک کھولو، اپنا اصول بناو اور اپنے اصول کی افادیت سے دنیا کی جھولی بھر دو۔ امام احمد رضا دینی و دنیاوی پہلے دانشور ہیں جنہوں نے بینکنگ کے نظام کی بات کی ہے اور نکات دئے ہیں۔ جن لوگوں نے ان ہدایات کی معنویت و معقولیت کو سمجھا اور عمل کیا آج دوسری قومیں انہیں للچائی نظروں سے دیکھ رہی ہیں۔ جن لوگوں نے ان جواہر غالیہ اور نکات نافعہ کی قدر کی وہ آج قدر کی نگاہ سے دیکھے جا رہے ہیں۔ آج جب کہ دنیا عالمی اقتصادی بحران کے طوفان میں گھرتی جا رہی ہے، اچھے اچھے سوپر پاور ملکوں کی معشیت لڑکھڑا رہی ہے، درون ملک بے روزگاری کا واویلا مچا ہوا ہے ایسے میں آہستہ آہستہ لوگوں کی آنکھیں کھل رہی ہیں۔ اسلامی نظام بینک کے دروازے پر جھانکنے لگے ہیں اور انہیں اپنانے کی فکر میں یک جٹ ہو رہے ہیں۔ کیسی پیش بینی، گہرائی موزونیت اور معروضیت تھی امام احمد رضا کی فکر میں لوگ وہیں آ رہے ہیں جہاں برسوں پہلے امام احمد رضا نے آنے کی دعوت دی تھی۔ کاش مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرہ لگانے والے لوگ بھی اس راز کو سمجھتے، اس نکتہ پر غور کرتے اور رضوی ہدایات و نکات پر مبنی بینک قائم کرتے تو رضا کی روح بھی مسکراتی، دعا دیتی اور قوم و ملت کا بھی بھلا ہوتا۔ آج ہم میں ایسے ایسے سرمایہ دار موجود ہیں کہ چاہیں تو اکیلے بڑے سے بڑے بینک کھول سکتے ہیں۔ مگر امام احمد رضا کے فکر کی فکر کس کو ہے۔ فکر رضا سے متصادم معمولات و مراسم پر بے دریغ روپیہ

خرچ ہو رہا ہے مگر ہم میں ایک عالمی سطح کا تو کیا مسلکی سطح کا حامل کوئی جامعہ نہیں ہے، کوئی ہاسپیٹل نہیں ہے، کوئی تنظیمی ادارہ نہیں ہے، کوئی اسلامی بینک نہیں ہے، یہ غفلت اپنی موت کے محضر نامے پر خود دستخط کرنے کے مترادف نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا۔

(3) تیسرے نکتہ میں آپ نے اپنے ہی لوگوں سے لین دین، کاروبار اور خرید وفروخت کرنے کی بات کی ہے، تحریر کے مضمرات بول رہے ہیں کہ یہ نکتہ عہد رضا کے منظر نامہ کا آئینہ دار ہے۔ مگر عمومیت اورافادیت کے نقطہ نظر سے ہر دور کی ضرورت ہے۔ جس دور میں اعلیٰ حضرت نے یہ نکتہ پیش کیا ہے اس دور کے حالات بھی کچھ ایسے ہی تھے۔ مسلمانوں کے تعلق سے دلوں میں نفرت شعلہ زن تھی، ان سے سوتیلا سلوک عام تھا، ان کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی تدبیریں ہو رہی تھیں۔ خفیہ طور پر انہیں کمزور کرنے، بے دست و پا بنانے کی اسکیمیں بنائی اور انہیں مختلف بہانوں سے عمل میں لانے کی فکر ہر قلب کو بے چین کیے ہوئے تھیں۔ فساد کی آگ سے گاؤں گاؤں سلگ اٹھتا مگر جب سوزش تھمتی تو مسلمانوں کے جان و مال کی تباہی دیکھ کر حساس قلب خون کے آنسو روتا "الکفر ملة واحدة" کے بمصداق متحدہ محاذ قائم ہو چکا تھا۔ ان کی کوشش ہوتی کہ ہم اکثریت میں ہیں۔ ہم اپنی ضرورت کی کفالت خود کر سکتے ہیں، لہٰذا خرید وفروخت سب ہم آپس ہی میں کریں تا کہ مسلمانوں کی مالی حالت خستہ وشکستہ ہو جائے اور وہ مجبور ہو کر ملک چھوڑ کر چلے جائیں۔ ایسے ناگفتہ بہ حالات میں کسی بھی قائد کی نظر اس پر نہیں پڑی کہ مسلمانوں کا وجود کتنے خطرے میں ہے۔ اندر کیا کیا ہو رہا ہے کیسی کیسی سازشیں رچی جارہی ہے، مسلمانوں کو ملک بدر کرنے کا کیسا خفیہ خاموش اور خطرناک پروگرام طے پا رہا ہے، ملک وملت کے بڑے بڑے ٹھیکے داروں اور ان کے ناموس کی حفاظت کے دعویداروں کے بیچ صرف اعلیٰ حضرت تھے جنہیں خدا نے نور بصیرت سے ایسا نوازا تھا کہ پہلی ہی نظر میں معاملے کی تہہ تک پہنچ جاتے۔ آخر وہی ہوا، اگر کسی نے معاملات کی نزاکت کو بخوبی سمجھا مسلمانوں کو سنبھالا اور مالی کمر مضبوط بنانے کا پروگرام پیش کیا تو وہ اعلیٰ حضرت ہیں۔ ایک جملہ میں منظر پس منظر سمو کر رکھ دیا۔" مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں" یعنی مسلمان بھائیو! کیوں غیروں سے لین دین کر کے انہیں فائدہ پہنچاتے ہو؟ تمہاری خرید وفروخت سے ان کی مالی حالت مستحکم ہوتی ہے۔ آپس میں لین دین کرو تا کہ اس کا فائدہ ہماری ہی قوم کو پہنچے۔ تدبیر وہ کرو کہ قوم محفوظ ہو، قوم مضبوط ہو۔ کسی کے برا چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا، ہم اللہ پر توکل کرنے والی قوم ہیں خدا کی ذات پر بھروسہ رکھیں اور قدم بڑھائیں، وہ دیکھیے فارغ البالی وخوش حالی آپ کے انتظار میں ہے۔

(4) چوتھے اور آخری نکتہ میں امام احمد رضا نے مالی خوش حالی کو دینی خوش حالی سے جوڑ کر کمال فکر وفہم کا جوہر دکھایا ہے، صاف کہتے ہیں علم دین کی ترویج واشاعت کریں، آخر علم دین کی ترقی سے مالی خوش حالی کا اور مالی خوش حالی کا علم دین کی تبلیغ سے کیا رابطہ ہے؟ یہاں پر امام احمد رضا ایک بین الاقوامی مدبر کے روپ میں نظر آتے ہیں۔ درحقیقت یہ قوم کھانے پینے اور دنیا سے چلی جانے کے لیے نہیں ہے اس قوم کی ذمہ داریوں میں اہم ترین ذمہ داری لوگوں کو نیکی کی دعوت دینا اور برائی سے روکنا بھی ہے جسے یہ قوم بھول رہی ہے۔ امام احمد رضا نے یاد دلایا اور احساس کو مہمیز کیا خواب غفلت پہ ضرب لگائی کہ اپنی ذمہ داریوں سے بے پرواہ نہ ہوں، کل خیر امت کے حوالے سے آپ سے باز پرس ہوگی۔ یہ دنیا ہے آخرت کی کھیتی ہے جو جیسا بوئے گا کاٹے گا۔ یہاں کی تمام ذمہ داریوں سے آپ کو انصاف کرنا ہی ہوگا اور ذمہ داریوں کا حق ادا کرنے کے لیے علم دین کی ضرورت ہے کہ آپ حالات کے نشیب وفراز کو سمجھیں تا کہ انصاف رہے، رواداری رہے، سلامت روی رہے، سنجیدگی وبردباری رہے۔ یہ علم دین ہی ہے جو ان تمام جواہرات سے آپ کو مرصع کر سکتا ہے جو اپنے امین کو عالمی قیادت

کا ہنر بخشتا ہے۔ بات یہ ہے کہ جسے علم دین کہا جاتا ہے یہ قرآن وحدیث کا عطر مجموعہ ہے اسی علم کی برکت نے فرشتوں کی تقدس مآب جماعت پر حضرت آدم کو برتر کیا تھا۔ آپ حضرت آدم کی اولاد یعنی آدمی ہیں اس محفل دنیا میں عظیم سے عظیم تر انسان رہتے اور بستے ہیں ان کے بیچ آپ کو سربلند وسرفراز رہنا ہے تو یہی علم ہے جس کی تحصیل اور جس کے فرمودات کی تکمیل آپ کو بلند وبالا اور افضل واعلی رکھ سکتی ہے، آپ چاہے جس منصب پر ہوں اسرار علم سے بے خبر نہ رہیں۔ آج مسلمانوں کی ذلت اس علم سے غفلت اور اس کے مقتضیات سے بے توجہی کی وجہ سے ہے۔ "ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم" کی تفسیر میں ہے کہ یہاں دنیا میں خدا جس کو جو بھی نعمت چاہے جس شکل میں دے اس سے آخرت میں اس نعمت کے متعلق حساب ہوگا۔ مثلاً بہ شکل عہدہ کسی کو کسی مدرسہ کا سکریٹری وغیرہ اگر بنایا گیا ہے تو اس عہد ذمہ داری سے متعلق سوال ہوگا کہ آپ مدرسہ کے سکریٹری تھے، صدر تھے، فلاں فلاں عہدے پر تھے۔ بتائیے آپ کے زمانے میں کیا کیا ہوا۔ مدرسہ نے کتنی ترقی کی، کتنے مخلص علما وحفاظ نکلے۔ کتنے جانباز قرا وفضلا کی جماعت تیار ہوئی۔ آمد کہاں کہاں سے آئی اور خرچ کہاں کہاں ہوا۔ حقدار کو اس کا حق پہنچا کہ نہیں۔ مدرسین وطلبا یہ مہمانان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے آپ نے میزبانی کا حق کتنا ادا کیا۔ کسی کی دل آزاری تو نہیں کی۔ کسی کا حق تو نہیں دبایا۔ اپنے عہدے کا غلط استعمال کر کے کسی پر دھونس تو نہیں جمایا۔ آپ مسجد کے صدر سکریٹری حضرات ہیں آپ خالص میرے گھر کے پاسبان ونگہبان تھے بتائے آپ کے زمانے میں عقیدے کا کتنا کام ہوا، کتنے بے ایمان کو ایمان کی دولت نصیب ہوئی، کتنے بدکردار صاحب کردار بنے۔ اسلام وسنیت کے امور سے کتنے لوگ سیراب ہوئے، کتنے بے نمازی نمازی بنے، کتنے لوگوں کے دلوں میں مسجد کی محبت راسخ ہوئی اور خود پھر علما سے بھی نعمت علم پر پوچھ تاچھ ہوگی کہ علم کہاں کہاں خرچ کیا۔ اپنے علم سے خود کتنا فائدہ اٹھایا اور کتنوں کو فائدہ پہنچایا

وغیرہ وغیرہ۔ اپنی اپنی ذمہ داری کے حوالے سے سب کو جواب دہ ہونا ہے۔ جواب بھرے میدان محشر میں وہ بھی احکم الحاکمین کے دربار میں کتنا مشکل ہے ذرہ برابر بھی خوف خدا کی رمق موجود ہوگی تو رونگٹے کانپ اٹھتے ہیں مگر اب عالم یہ ہے کہ علم دین سے بالکل نابلد، اسلامی فکر سے یکسر ناواقف، عمل سے کوسوں دور بلا تکلف مسجد ومدرسہ کے ذمہ دار بن رہے ہیں۔ سوچیے مسجد ومدرسہ خالص دینی علمی وعملی مراکز ہیں ایسے حساس اداروں کے ذمہ داران جب علم عمل سے کورے لوگ بنیں گے تو کیا علم ترقی کرے گا؟ مدرسہ پھلے پھولے گا اور یہاں سے اچھی جماعت تیار ہو کر نکلے گی اور مسجد اسلامی بہاروں سے آشنا ہو سکے گی؟ آج اسی وجہ سے مساجد ومدارس کی غالب اکثریت اپنے احوال پہ نوحہ کناں لفظ بے معنی کا گلہ کر رہی ہے۔ اسی لیے اعلی حضرت رسمی مدرسہ کے قیام اور برائے نام تعلیم کے حامی نہ تھے ان کا کہنا اور ماننا تھا کہ عظیم الشان مدارس کھولے جائیں باقاعدہ تعلیمیں ہوں۔

اپنے پیش کردہ مذکورہ بالا تینوں نکات پر اعلی حضرت کو ایسا یقین ہے کہ لگتا ہے خوشحالی کا ساون برسنے ہی والا ہے اسی اذعان کے شامیانہ تلے آپ گوہر فشاں ہیں کہ مسلمانو! آپ ان نکات پر عمل کر کے دیکھیے خوش حالی یقیناً آئے گی مگر ہاں جب خوش حالی آئے تو خودسر اور ستم گر نہ بن جائیے۔ علم دین کا دامن تھامے رکھیے یہ آپ کو بے لگام نہیں رہنے دے گا۔ کمائیے خوب کمائیے مگر حلال کمائیے حرام کو ہاتھ مت لگائیے۔ اسی لیے معاشی عروج وارتقا کی تجاویز کے بالکل اخیر میں فرماتے ہیں:

علم دین کی ترویج واشاعت کریں۔ آپ صاحب مال ہو گیے، جس خدا نے دولت دی ہے اسی خدا کے دین کے فروغ میں اپنی دولت لگائیے۔ آپ کی دولت کو تحفظ خداوندی میسر آجائے گی، خدا کا وعدہ ہے "ان تنصروا اللہ ینصرکم" اگر تم اللہ کے دین کی مدد کروگے تو خدا تمہاری مدد فرمائے گا۔ اعلی حضرت نے معاشی نظریات میں علم دین کی خدمت کو شامل رکھا تاکہ مسلمان دنیا میں فائز المرام اور آخرت

میں شادکام رہے اور جس کی دنیا وآخرت دونوں آباد ہوجائے وہی تو اپنے زمانے میں مقدر کا سکندر ہے۔

پروفیسر محمد رفیع اللہ صدیقی کوئیز یونیورسٹی کینڈا نے امام احمد رضا کے ان معاشی نکات پر بڑا وقیع وبسیط مقالہ تحریر فرمایا ہے، آپ ایک جگہ فرماتے ہیں:

''1912ء میں جب یہ نکات شائع ہوئے برصغیر میں علم اقتصادیات کا مطالعہ عام نہیں تھا۔1936ء میں ایک انگریز ماہر اقتصادیات جے ایم کینز نے اپنا مشہور زمانہ نظریہ روزگار آمدنی پیش کیا، کینز کوان خدمات کے صلے میں تاج برطانیہ نے" لارڈ" کے خطاب سے نوازا، جدید اقتصادی نظریات کی ابتدا 1930ء کے بعد سے ہوئی۔ یہ بات کس قدر حیرت انگیز ہے کہ نگاہ مردمومن نے ان جدید اقتصادی تقاضوں کی جھلک 1912ء ہی میں دکھادی تھی". (قاری دہلی کا امام احمد رضا نمبر/483)

1936ء میں جدید معاشی نظریہ پیش کرنے والے کو "لارڈ" جیسے عظیم خطاب سے نوازا جاسکتا ہے تو پھر وہ شخصیت کیسے عظیم تر خطاب کی مستحق ہوگی جس نے 24 برس پہلے 1912ء ہی میں یہ نظریہ پیش کردیا تھا۔اب چاہے کوئی کچھ بھی کہے حق یہ ہے کہ اس وقت دنیا میں جو بینکنگ نظام چل رہا ہے اس کے بانی امام احمد رضا ہیں، اس موضوع پر بھی آپ کی کئی کتابیں موجود ہیں۔یہ زندہ قوم کی تابندہ علامت ہے کہ کارنامہ گر شخصیت کی ملکی سطح پر حوصلہ افزائی کی جائے، مگر برا ہو متعصّبانہ ذہنیت کا جس نے قوم مسلم کے سوچ وفکر کے سرچشمہ ہی کو منجمد کر رکھا ہے۔دل میں اعتراف حقیقت کا جذبہ موجود ہوتے ہوئے بھی زبان اظہار بیان سے قاصر نظر آتی ہے جس کا خمیازہ ہے کہ ہماری عالمی شخصیتوں کا آفاقی پیغام بھی ارتعاشی لہروں کی نذر ہوجاتا ہے اور دنیا یہ سمجھتی ہے کہ ہم میں کوئی عبقری نہیں۔وقت آگیا ہے کہ اپنی عظمت کا لوہا منوانے کے لیے فکری تنگناؤں کے حصار سے نکل کر امام احمد رضا جیسی شخصیت کو عالمی اسٹیج پر پیش کیا جائے۔

شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

□□□

مسائل قربانی فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں

مولانا غلام سرور قادری

امام اہلسنت سیدنا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کی تقریباً ایک ہزار سے زائد تصنیف کردہ کتب میں فتاویٰ رضویہ وہ شہکار فقہی انسائیکلو پیڈیا ہے مفکرین اور دانشوروں کے بقول جس کی نظیر اردو زبان میں لکھے گئے فتاویٰ کی کتابوں میں نہیں ہے۔ اس کے تحقیقاتی مباحث، دلائل و براہین کی گہرائی کو دیکھ کر حافظ کتب حرم شریف مکہ معظمہ حضرت علامہ سید اسمٰعیل خلیل مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے امام اہل سنت کے تعلق سے فرمایا تھا" واللہ اقول والحق اقول انه لورآه ابو حنیفة النعمان لاقرّت عینه ولجعل مؤلفها من جملة الاصحاب" ترجمہ: میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر امام اعظم ابوحنیفہ نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان فتاویٰ کو دیکھتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور ان فتاویٰ کے مولف یعنی امام احمد رضا کو اپنے تلامذہ میں شامل کر لیتے۔

(الاجازات المتینہ لعلماء بکۃ والمدینۃ، مطبوعہ، رضا اکیڈمی بمبئی، ص ۲۲)

امام احمد رضا قدس سرہٗ کو آج کی تحقیق کے مطابق سو سے زائد مروجہ اور غیر مروجہ مختلف علوم وفنون پر مہارت تامہ حاصل تھی جو ان کی تصانیف سے ظاہر ہے۔

فتاویٰ رضویہ کی کل بارہ جلدیں ہیں اور ہر جلد کم وبیش ایک ہزار صفحات پر مشتمل ضخیم، محقق، مبرہن، اور دلائل سے مرصع ومزین ہے۔ آپ کے مستفتی علماء بھی ہیں، عرفاء بھی، عوام بھی ہیں خواص بھی۔ مدرسہ کے فیض یافتہ بھی ہیں اور یونیورسٹی کے پروفیسران بھی فتاویٰ رضویہ مترجم جلد اول میں مستفتی علماء کی فہرست شائع ہوئی ہے اس کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ ۵۴۱ علماء نے مختلف علمی اور بظاہر لاینحل موضوعات کے حل کے لئے آپ سے رجوع کیا اور آپ نے اس کا مدلل اور تحقیقی جواب عنایت فرمایا ان میں چند معروف نام یہ ہیں" ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری، مولانا اسمٰعیل میاں جنوبی افریقہ، مولانا انوار الحق لاہور، مولانا احمد صدیقی کراچی بندرگاہ، مولانا علی رضا خاں بغداد شریف، مولانا عبد العزیز خاں قادری ملک برہما، مولانا ضیاء الدین پرتگال، پروفیسر حاکم علی بی، اے، موتی بازار لاہور۔ مولانا عبد الاول رحمۃ اللہ علیہ جونپور، مولانا شمس الدین اجمیر شریف، مولانا سید حامد حسن مارہرہ مطہرہ، مولانا حامد بخش بدایوں شریف، سید مولانا محمد احمد محدث کچھوچھوی، کچھوچھہ شریف، مولانا سید محمد زاہد بلگرام شریف ہردوئی، مولانا عبد اللہ بہار شریف، مولانا سید عبد الجبار حیدرآباد دکن، مولانا عبد القادر سرہند شریف، مولانا عبد الوحید قاضی عظیم آباد پٹنہ

فتاویٰ رضویہ کی ایک خاصیت یہ ہے کہ **کلموا الناس علیٰ قدر عقولهم** کے مطابق مستفتی کی صلاحیت لیاقت اور اس کے معیار فہم کے مطابق آپ نے جواب عنایت فرمایا ہے۔ چونکہ آپ کے مستفتی اکثر اہل علم رہے ہیں اسلئے آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ بھی خالص علمی ہے اکثر فتاویٰ علمی مباحث، تحقیق وتنقید، تجزیہ وتحلیل اور ایرادات سے بھرپور ہیں۔ جن کی تفہیم آسان نہیں مشکل تر ہے۔

میں یہاں افادۂ عوام کے لئے فتاویٰ رضویہ میں مذکور قربانی کے مسائل کے متعلق موجود فتاویٰ کا تعارف اور بعض

متحقق ومنقح مسائل ذکر کرتا ہوں ۔ خدائے تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور اس پر عمل کی توفیق بخشے ۔

کتاب الاضحیہ (قربانی کا بیان) کا اجمالی خاکہ:

کتاب الاضحیہ فتاویٰ رضویہ جلد ۸ میں صفحہ ۳۸۵ سے صفحہ ۵۳۸ تک ۹۴ فتاویٰ اور تین رسالے ۔(۱)ھادی الاضحیہ بالشاۃ الھندیہ(۲)انفس الفکرفی قربان البقر (۳)الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیہ پر محیط ہے۔

(۱)ھادی الاضحیہ بالشاۃ الھندیہ (بھیڑ کی قربانی کے بارے میں رہنمائی کرنے والا) یہ رسالہ عربی میں ہے جیسا کہ اس کے نام ہی سے ظاہر ہے۔صفحہ ۳۹۸(اردو میں خلاصہ کے ساتھ) سے صفحہ ۴۳۸ تک ہے ۔اس رسالہ میں بھیڑ کی قربانی کے جواز اور عدم جواز کی بحث ہے۔

مولانا نظام الدین مدرس مدرسہ اسلامیہ احمد پور شرقیہ نے ایک استفتاء کے جواب میں یہ تحریر فرمایا کہ بھیڑ قربانی کے جانور سے خارج ہے ۔اپنے قول کی تائید اور ثبوت میں انہوں نے تین دلائل کتب لغات سے ۵ ادلائل کتب فقہ سے پیش فرمائی ہیں ۔لیکن اس جواب سے عدم تشفی کا اظہار کرتے ہوئے مولانا احمد حسن مدرس اعلیٰ مدرسہ فیض عام کانپور نے ایک استفتاء مع جواب مذکور (مولانا نظام الدین کا دیا ہوا) اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی بارگاہ میں ارسال فرمایا اور تحقیقی جواب کی درخواست کی اعلیٰ حضرت نے آیات قرآنیہ، کتب تفاسیر، احادیث مبارکہ، معتبر ومستند کتب فقہیہ اور معتبر کتب لغات وغیرہ سے تقریباً ۸۹ دلائل سے ثابت فرمایا کہ بھیڑ قربانی کا جانور ہے ۔اور مولانا نظام الدین کے پیش کردہ دلائل پر مضبوط ایرادات قائم فرمائے۔

(۲)انفس الفکر فی قربانی البقر: یہ رسالہ اردو میں صفحہ ۴۴۳ سے ۴۴۸ تک ہے جس میں احکام شرح مصالح پر مبنی ہوتے ہیں، اختلاف اعصار وامصار کی وجہ سے احکام میں تبدیلی ہوتی ہے، گائے کی قربانی شعائر اسلام میں سے ہے، گائے کے گوشت میں منافع کثیر ہیں اور خوشنودی ہنود کے لیے گائے کی قربانی ترک کرنا کیسا ہے وغیرہ موضوعات پر چار آیات قرآنیہ، چار احادیث مبارکہ، چھ فقہ اور اصول فقہ کی عبارات کے ذریعے امام اہل سنت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے بھرپور بحث کی ہے۔

(۳)الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ (چرمہائے قربانی کی طرف اشارہ کرنے والی صاف ستھری کتاب) یہ رسالہ بھی عربی میں ہے صفحہ ۴۹۴ سے (اردو میں خلاصہ کے ساتھ) صفحہ ۵۳۰ تک ہے ۔اس میں قربانی کی جلد کے مصارف کا تذکرہ ہے جس کو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے ۵۳ دلائل کتب فقہیہ، ۳۱ کتب احادیث سے، ۳ آیات قرآنیہ سے ثابت فرمایا ہے کہ قربانی کی کھال کے مصارف کیا ہیں اور کیا نہیں ۔اسی طرح مولانا رشید احمد گنگوہی اور ایک سنی عالم دین کے بیان کردہ مسئلے کی علمی اور تحقیقی انداز میں تردید ہے۔

فتاویٰ کی نوعیت:

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے مذکورہ رسائل کے علاوہ ۹۴ تحریر کردہ فتاویٰ میں قرآن کریم، معتبر کتب تفاسیر، معتبر کتب احادیث، کتب اصول حدیث، کتب فقہ، کتب اصول فقہ، اور کتب لغات وغیرہ سے تقریباً ۲۸۰ دلائل قلمبند فرمائے ہیں جو یقیناً ان کے ہمعصر فتاویٰ میں امتیازی شان کی علامت ہے۔

صفحہ ۳۸۵ سے ۳۸۸ تک ۴ سوالات مع جوابات کے درج ہیں ۔ان میں فتاویٰ کی نوعیت یہ ہے۔

۱۔اگر کوئی شخص قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو ذی الحجہ کا چاند نظر آتے ہی اس شخص کا ناخن وغیرہ ترشوانا کیسا ہے؟

۲۔ قربانی کا وقت کب سے کب تک ہے۔؟

۳۔ رویت ہلال کے سلسلے میں اخباری بیان کا اعتبار ہے یا نہیں؟

۴۔ خبر مستفیض کی تعریف کیا ہے؟ اور اس کا حکم کیا ہے وغیرہ۔

صفحہ ۳۸۸ سے ۳۹۳ تک چھ سوالات مع جوابات

درج ہیں ان مسائل کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ اگر ایک گھر میں چند افراد ہوں اور سب کے سب مالک نصاب ہیں تو سب پر قربانی واجب ہے، یا صرف گھر کے مالک پر؟

۲۔ کسی کی طرف سے قربانی کرنے میں اسکی اجازت شرط ہے یا نہیں؟

۳۔ نابالغ اگر مالک نصاب ہو تو اس پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟

۴۔ حاجب اصلیہ کے علاوہ بیل، گھر، وغیرہ ہے تو قربانی واجب ہے یا نہیں؟ وغیرہ۔

صفحہ ۳۹۳ سے ۳۹۸ تک چھ سوالات مع جوابات ہیں ان میں جو مسائل زیر بحث آئے ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ جانور لینے کے بعد کسی عذر سے اس کی قربانی نہ کرے بلکہ بدلے میں دوسرے کی کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

۲۔ شہری اور دیہاتی دونوں کے لئے قربانی واجب ہونے کی شرطیں کیا ہیں؟

۳۔ کس کے لئے قربانی کا جانور خریدتے ہی اسی جانور کی قربانی واجب ہو جاتی ہے؟

صفحہ ۴۳۹ سے ۴۷۱ تک ۴۲ سوالات و جوابات ہیں۔ جو مختلف موضوعات پر مشتمل ہیں۔

۱۔ مثلاً قربانی کے جانور کی عمر کیا ہونی چاہئے؟

۲۔ ان کی کتنی قسمیں ہیں؟

۳۔ جانور میں کس عیب کا اعتبار ہے؟

۴۔ گوشت کی تقسیم کا مستحسن اور افضل طریقہ کیا ہے؟

۵۔ ہنود کی خوشنودی کے لئے گائے کی قربانی نہ کرنا کیسا ہے؟ وغیرہ

صفحہ ۴۷۱ سے ۴۹۴ تک ۳۵ سوالات و جوابات درج ہیں۔ جو مختلف امور پر مشتمل ہیں۔ مثلاً

۱۔ قربانی کی کھال کے حقدار کون ہیں؟

۲۔ اپنے لئے کس طرح استعمال کر سکتے ہیں؟

۳۔ اغنیاء، سادات، وغیرہ کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ وغیرہ۔

صفحہ ۵۳۰ سے صفحہ ۵۳۸ تک دو سوالات مع جوابات مختلف موضوعات پر مشتمل ہیں۔

۱۔ مرغ کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

۲۔ قربانی کے جانور کی رسی وغیرہ کا کیا حکم ہے؟ وغیرہ۔

قربانی واجب ہونے کے شرائط:

کتاب الاضحیہ صفحہ ۳۸۵ سے صفحہ ۵۳۸ تک قربانی واجب ہونے کے شرائط بیان ہوئے جن کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ اسلام یعنی مسلمان ہونا۔ غیر مسلم پر قربانی واجب نہیں۔

۲۔ اقامت یعنی مقیم ہونا مسافر کے لئے قربانی کرنا ضروری نہیں۔ کرے گا تو نفل ہوگی اور مستحق ثواب ہوگا۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔"قربانی مین شہر و دہ (دیہات) بلکہ آبادی و جنگل سب برابر ہیں۔ جن شرائط سے شہر والوں پر واجب ہوتی ہے، انہی شرائط سے گاؤں۔ بلکہ جنگل کے رہنے والے پر بھی واجب ہے۔ فقط مقیم ہونا چاہیے کہ سفر میں نہ ہو پھر مسافر سے بھی اس کا وجوب ساقط ہے۔ نہ یہ کہ ممانعت۔ اگر کریگا نفل ہوگا۔ ثواب پائے گا۔ فی الدر المختار. تجب التضحية على حر مسلم بمصرٍ او قرية او باديةٍ "عيني" فلا تجب على مسافرٍ اه. ملتقطاً (فتاویٰ رضویہ صفحہ ۳۹۸)

۳۔ مالک نصاب ہو غیر مستطیع پر قربانی واجب نہیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں ایک قربانی نہ سب کی طرف سے ہو سکتی ہے، نہ سوا مالک نصاب کے کسی اور پر واجب ہے۔

۴۔ حر یعنی آزاد ہو۔ غلام پر قربانی واجب نہیں۔ (اس دور میں غلام کا تصور نہیں ہے)

۵۔ بالغ ہونا اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں" نابالغ اگر چہ کسی قدر مالدار ہو اس پر قربانی ہے نہ اس کی طرف سے اس کے باپ وغیرہ پر" (فتاویٰ رضویہ صفحہ ۳۹۲)

قربانی کا وقت:

قربانی کا وقت دسویں ذی الحجہ کے طلوع صبح صادق

سے بارہویں کے غروب آفتاب تک ہے یعنی تین دن اور دوراتیں جسے ایام نحر کہتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی فرماتے ہیں۔" قربانی یوم نحر تک ہے یعنی دسویں سے بارہویں تک جائز ہے۔آخر ایام تشریق تک کہ تیرہویں ہے جائز نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ صفحہ نمبر ۳۸۶)

صرف ولی کے کرنے سے سب کی طرف قربانی ادانہ ہوگی:

اگر ایک گھر میں چند افراد رہتے ہیں اور سب کے سب مالک نصاب ہیں۔تو سب پر قربانی واجب ہے محض باپ یا ولی کے کرنے سے سب کی جانب سے ادانہ ہوگی بلکہ سب کے سب جدا جدا کریں۔اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی فرماتے ہیں۔"ایک قربانی نہ سب کی طرف سے ہوسکتی ہے نہ سوائے مالک نصاب کے کسی اور پر واجب ہے۔ اگر اس کی بالغ اولاد میں کوئی خود صاحب نصاب ہوتو وہ اپنی قربانی جدا کرے یونہی زکوٰۃ جس جس پر واجب ہے۔ یہ الگ الگ دیں ایک کی زکوٰۃ سب کی طرف سے نہیں ہوسکتی۔" (فتاویٰ رضویہ، ج ۸، ص ۳۹۲)

قربانی کے جانور کی عمر کیا ہونی چاہئے:

اونٹ پانچ سال، بھینس، گائے دوسال، بھیڑ، دنبہ، بکری ایک سال اس سے کم عمر کے جانور کی قربانی جائز نہیں۔عمر زیادہ ہونا جائز ہی نہیں بلکہ افضل و مستحسن ہے۔اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی فرماتے ہیں۔بکرا، بکری ایک سال سے کم کا قربانی میں ہرگز جائز نہیں۔اس پر قربانی کی نیت صحیح نہیں، وہ اس کی ملک ہے جو چاہے کرے۔قربانی کے لئے دوسرا جانور لے۔ ہاں اگر یہ نیت کی ہو کہ آئندہ سال اس کی قربانی کرونگا، تو اسے قربانی ہی کے لئے رکھے۔ اس کا بدلنا مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے صح ابن خمس من الابل وحولين من البقر والجاموس وحول من الشاة والمعز. رد المحتار میں ھے " فی البدائع تقدير هذه الاسنان لمنع النقصان لا الزيادة فلو ضحیٰ بسن اقل لایجوز وباكثر يجوز هو افضل " (فتاویٰ رضویہ صفحہ ۴۴۲) البتہ بھیڑ اور دنبہ ٦ ماہ کا اس طرح فربہ اور صحت مند ہو کہ ایک سالہ ہمجنسوں میں دور سے سال بھر کا معلوم ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔امام اہل سنت فرماتے ہیں"ششماہہ (چھ ماہ کا) بھیڑ کی قربانی بلاشبہ جائز ہے جب کہ ایک سالہ ہمجنسوں میں دور سے متمیز (تمیز) نہ ہو سکے ۔۔۔۔۔یہی شرط دنبہ میں ہے۔اور دنبہ اور بھیڑ ایک ہی نوع ہے اور دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۸، ص ۴۳۹)

قربانی کے جانور کا عیوب ونقائص سے منزہ ہونا ضروری ہے:

قربانی کے جانور کو تمام عیوب ونقائص سے پاک ہونا چاہیے۔عیب اگر معمولی ہو تو قربانی ہوجائے گی مگر مکروہ ہے۔ ہاں اگر زیادہ ہو تو قربانی ہوگی ہی نہیں۔ایک بات یہاں قابل ذکر ہے کہ وہی اشیاء عیوب میں شمار ہونگی جن کی وجہ سے قیمت میں کمی آجائے مطلقاً نہیں۔اگر ایسا معاملہ نہ ہو تو محض کان کا چیرا ہوا ہونا، سینگ کا ٹوٹ جانا وغیرہ عیوب میں شمار نہ ہونگے اعلیٰ حضرت ارشاد فرماتے ہیں" آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں، سب اعضاء کا سلامت ہونا ضروری ہے۔سینگ ٹوٹا ہونا مضائقہ نہیں رکھتا، مگر جہاں سے سینگ اُگا ہے اگر وہاں تک ٹوٹا تو ناجائز ہے۔" رد المحتار میں ہے" قوله (يضحیٰ بالجماء) هى التى لاقرن لها خلقة و كذ العظماء التى ذهب بعض قرنها بالكسر اوغيره فان بلغ الكسر الى المخ لم يجز فهستانى۔ (فتاویٰ رضویہ ۴۶۹)

سوال: جس جانور کے پیدائشی کان، دُم نہ ہو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

جواب: بلاشبہ جائز ہے۔اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ مستند ومعتبر کتب فقہیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں"جس جانور کی اصل پیدا

ئش میں کان اور دُم نہ ہو امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک اس کی قربانی جائز ہے۔(فتاویٰ رضویہ صفحہ ۴۷۰)

سوال: گائے کی دُم تہائی کے قریب کٹی ہوئی ہے، اور ایک کان چیرا ہوا ہے مگر چیرا ہوا حصہ جدا نہ ہوا بلکہ کان ہی میں لگا ہے تو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز ہے۔اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں جائز ہے۔

فی التنویر یضحیٰ فی الجماء لا مقطوع اکثر الاذن او الذنب، اسی طرح چند اور دلائل معتبر کتب فقہیہ سے آپ نے ذکر کی ہیں۔(فتاویٰ رضویہ صفحہ ۴۷۱)

قربانی کے گوشت کا حکم:

قربانی کے گوشت کا افضل اور مستحسن طریقہ بھی امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اپنے فتاویٰ میں بیان کیا ہے۔آپ فرماتے ہیں ''مستحب یہ ہے کہ گوشت کے تین حصے کرے ایک حصہ اپنا، ایک احباب کا ایک مساکین کا''(فتاویٰ رضویہ صفحہ ۴۸۱)

قربانی کے گوشت کو کسی غیر مسلم یا کسی بدمذہب کو ہرگز دینا جائز نہیں۔

قربانی اگر منت ونذر کی ہے تو اس کا گوشت نہ خود کھا سکتا ہے۔اور نہ اغنیاء (مالداروں) کو کھلا سکتا ہے۔بلکہ پورے گوشت کو فقراء اور مساکین کے درمیان صدقہ کرنا واجب ہے۔

قربانی کے جانور جیسے گائے، اونٹ، بھینس، جس میں چند افراد شامل ہوں تو ضروری ہے کہ سب کے سب مسلمان سنی صحیح العقیدہ ہوں۔سب کی نیت تقرب الی اللہ ہو ورنہ کسی کی قربانی نہیں ہوگی۔تقسیم گوشت میں یہ ضروری ہے کہ وزن کرکے تقسیم کرے اندازے اور تخمینے سے نہ کرے کیوں کہ اس میں کمی بیشی کا خدشہ ہے اور یہ ناجائز ہے۔

قربانی میت کی جانب سے ہو تو اس کی دو صورت ہیں۔اگر میت نے وصیت کی تھی تو کل گوشت کا صدقہ کرنا واجب ہے اور اگر وصیت نہیں کی تھی تو اس کا وہی طریقہ ہے جو مذکور ہوا کہ تین حصے کئے جائیں ایک اپنے لئے دوسرا خویش واقارب کے لئے تیسرا فقراء ومساکین کو صدقہ کردے۔اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں'' اس کے بھی یہی حکم ہیں جو اپنی قربانی کے۔کھانے کھلانے تصدق سب کا اختیار ہے۔اور مستحب تین حصے ہیں ایک اپنا، ایک اقارب، ایک مساکین کا۔ہاں اگر میت کی طرف سے بحکم میت کرے تو وہ سب تصدق کی جائے۔(فتاویٰ رضویہ صفحہ ۴۶۶)

کس جانور میں کتنے لوگ شریک ہوسکتے ہیں:

اونٹ گائے اور بھینس میں زیادہ سے زیادہ سات لوگ شریک ہوسکتے ہیں۔اور بھیڑ، دنبہ اور بکری کی قربانی ایک ہی شخص کی جانب سے ہوسکتی ہے۔

قربانی کی جلد کے احکام:

۱۔قربانی کی کھال جملہ کارخیر میں صرف کرنا جائز ہے۔اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں'' قربانی کی کھال ہر اس کام میں صرف کرسکتے ہیں جو قربت وکارخیر وباعث ثواب ہو۔حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ قربانی کی نسبت فرماتے ہیں کھاؤ اور اٹھار کھو اور وہ کام کرو جس سے ثواب ہو۔''(فتاویٰ رضویہ صفحہ ۴۷۵)

۲۔اپنے لئے ایسی چیزوں میں خرچ کرسکتے ہیں جو باقی رہیں جیسے مشکیزہ، توشہ دان، تکیہ اور کتاب کی جلد وغیرہ۔اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں''اور کھال کی کوئی چیز مثل مشکیزہ وغربال و پوستین وتوشہ دان وفرش وتکیہ وجلد کتاب وغیرہ بنا کر اپنے صرف میں لانا بھی روا ہے۔کما نص علیہ فی عامۃ کتب المذہب وعن ام المؤمنین عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت، قالوا یا رسول اللہ ان الناس یتخذون الاسقیۃ من ضحایا ہم ویحملون فیہا الودك فقال وماذالك قالوا نہیت ان تؤ کل لحوم الاضاحی بعد خلاص قال انما نہیتکم من اجل الدافۃ فکلوا وادخروا وتصدقوا''(فتاویٰ رضویہ صفحہ ۴۷۲)

۳۔قربانی کے کھال میں اپنے لئے تمول منع ہے یعنی بیچ

کرا ایسی چیز خریدنا جو باقی نہ رہے۔ جیسے اس کے بدلے میں کھانا، سرکہ، وغیرہ خریدنا یہ ناجائز ہے۔ اگر تمول کی نیت سے بیچا تو اس کی قیمت کا صدقہ کرنا ضروری ہے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں" یونہی اپنے لئے کسی ایسی چیز سے بیچا جو خرچ ہو کر کام میں آتی ہے جیسے کھانے پینے کی چیزیں یہ ناجائز ہے۔ اور ان کی قیمت صدقہ کرنی ہوگی۔ درمختار میں ہے لا بمستهلك كخل ولحم ونحوه كدارهم فان بيع الحم او الجلد به اى بمستهلك او بدارهم تصدق بثمنه۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۸، ص ۴۸۶)

۴۔ غنی (مالدار) کو ہبہ کرسکتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں" غنی کو ہبہ کرسکتے ہیں کہ وہ اپنا تمول نہیں۔" (فتاویٰ رضویہ، ج ۸، ص ۴۸۶)

۵۔ قربانی کی کھال صدقۂ نافلہ یا ہدیہ کی صورت میں سادات کرام، والدین، اولاد کو دے سکتے ہیں۔ اسی طرح شوہر بیوی کو اور بیوی شوہر کو دے سکتی ہے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں" قربانی کی کھال سادات کرام کو دینا جائز ہے۔ اپنے ماں باپ اولاد کو بھی دے سکتا ہے۔ شوہر زوجہ کو زوجہ شوہر کو دے سکتی ہے۔ وہ بہ نیت تصدق ہو تو صدقۂ نافلہ ہے ورنہ ہدیہ۔" (فتاویٰ رضویہ، ج ۸، ص ۴۷۱)

۶۔ ذبح کرنے والے کو قربانی کے جانور کی کھال یا اسکی قیمت بہ طور معاوضہ دینا جائز نہیں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیٰ" اجرت جزار (ذبح کرنے والا) میں اس کی قیمت دینا جائز نہیں کہ تمول ہے۔ اور قربانی سے تمول ناجائز ہے اس چمڑے کا یہی حکم ہے جو اصل کا کہ ادخار ایتجار دونوں جائز ہیں۔"
(فتاویٰ رضویہ صفحہ ۵۳۰)

کیا قربانی اور عقیقہ ایک جانور میں ہو سکتے ہیں:

اگر ایسا جانور جس میں ایک سے زیادہ اشخاص شریک ہوسکتے ہیں تو ایسے جانور میں قربانی اور عقیقہ کے ادا ہونے میں کوئی شبہ نہیں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ" قربانی، عقیقہ دونوں اللہ ہی کے لئے ہیں لہٰذا دونوں صحیح ہونگے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۸، ص ۴۶۸)

□□□

(چوتھی قسط)

احمد رضا صابری

انٹرنیٹ پر افکارِ رضا کے دریچے

گذشتہ سے پیوستہ-----

اعلیٰ حضرت کے شعر وادب سے متعلق کام پر کتب ومقالہ جات:

- اعلیٰ حضرت کی نعت گوئی: روز خان رضوی
- حضرت حافظ احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری: پروفیسر محمد اقبال جاوید
- مولانا احمد رضا خان کی اردو نعتیہ شاعری: پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی
- فن شاعری اور حسان الہند: علامہ عبد الستار ہمدانی
  اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے شہرۂ آفاق نعتیہ دیوان حدائق بخشش کے چیدہ چیدہ اشعار کی شرح اور امتیازی خصوصیات پر مشتمل لاجواب کتاب۔
- نعت المصطفے فی شرح کلام رضا المعروف شرح حدائق بخشش: مولانا غلام حسن قادری
  اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے شہرۂ آفاق نعتیہ دیوان حدائق بخشش کی ایک سو ایک نعتوں کی شرح بشمول قطعات و رباعیات، درود و سلام رضا کی عام فہم اور آسان اردو شرح۔ قرآن وسنت کے سینکڑوں دلائل اور بیسیوں شعراء کے کلام سے مزین۔
- کلام رضا میں علمی مصطلحات کی ضیاء باریاں: ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی
- نثر رضا کے ادبی جواہر پارے: ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی
  اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی بے مثال نثر سے چند جواہر پاروں کا انتخاب اور ان پر تبصرہ
- سلامِ رضا۔ ایک حقیقت کا ادراک: مہتاب پیامی
- نایاب ہیں ہم: پروفیسر ڈاکٹر غفور شاہ قاسم
- نعتِ مصطفیٰ میں نغمہ سرائی۔ تاج امامت کے حق دار: ڈاکٹر ظہور احمد اظہر
- آفتاب آمد۔ دلیلِ آفتاب: پروفیسر انوار احمد زئی
- نعتیہ شاعری: پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی
- فاضلِ بریلوی کی اردو نعت گوئی: جناب افتخار عارف
- نعتیہ ادب اور اس کی ترویج میں اعلیحضرت کا مقام: ڈاکٹر عبد الرحمٰن سید
- کلامِ رضا میں محاکمات۔ پیکر تراش: ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی
- رضا بریلوی کی نثریات کے اساسی محرکات: ڈاکٹر امجد رضا خاں امجدؔ
- امام احمد رضا کی سراپا نگاری: صاحبزادہ ابو الحسن واحد رضوی
- حضرت رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری اپنے آئینے میں: ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیہ الرحمہ
- امام احمد رضا کی ظریفانہ اور طنزیہ شاعری: ڈاکٹر صابر سنبھلی
- کلامِ رضا میں عشقِ رسول کی جمالیات: مہتاب پیامی
- امام احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری: رحمت علی عباسی
- امام احمد رضا بریلوی کے ہم عصر تین نعت گو شعراء: خلیل احمد رانا
- سلامِ رضا کے دو حسین جہات: ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی
- کلامِ رضا کی روشنی میں شانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم: علامہ شاہ حسین گردیزی
- کلامِ رضا اور عقیدۂ ختمِ نبوت: شبیر حسین شاہ

- کلامِ رضا اور ضلع جگت: ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی
- حضرت امام احمد رضا خان۔ ۲۱۵ علوم وفنون میں مہارت اور کلامِ رضا میں ان کا استعمال: علامہ عبدالستار ہمدانی مصروف نوری
- امام احمد رضا خاں اور اردو نعتیہ شاعری: پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان
- کلامِ رضا کچھ لسانی گوشے: ڈاکٹر احمد بدر
- امام احمد رضا اور اردو نعتیہ شاعری: ڈاکٹر مظفر عالم جاوید صدیقی
- امام احمد رضا کی سخن ہائے گفتنی کی حقیقت: محمد ادریس رضوی
- امام احمد رضا کی شاعری میں تصوف کی ضوفشانیاں: محمد افضل الدین جنیدی
- طنزیاتِ رضا: ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی
- اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی اور اردو ادب: مولانا محمد اسحاق خان نوری
- سلامِ رضا اور مسئلہ تضمین: محمد کاشف رضا
- حضرت رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری اپنے آئینے میں: نیاز فتح پوری
- سلامِ رضا: پروفیسر منیر الحق کعبی
- امام احمد رضا کی شاعری: مفتی مظفر احمد داتا گنجوی
- اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری اور اس کا حسن و جمال: مولانا سعید جیلانی کانپوری
- نام نہاد محققین کی اندھی قلم: سید مجیب الرضا
- فاضلِ بریلوی کا نظریۂ شعر وادب: مولانا محمد فروغ القادری
- مولانا احمد رضا خاں کا نعتیہ کلام: پروفیسر جلیل قدوائی
- اعلیٰ حضرت کی شاعری سادگی اور پُرکاری کی ایک مثال: ڈاکٹر فرمان فتح پوری
- امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری پر ایک نظر: پروفیسر فاروق احمد صدیقی
- امام احمد رضا کے مشہور زمانہ اشعار: علامہ محمد افروز قادری چریا کوٹی
- دیوانِ رضا۔ عرفان ووجدان کا قاموس: سید شمیم اشرف
- امام احمد رضا واصفِ شاہِ ہدیٰ: ڈاکٹر سید شاہ محمد طلحہ رضوی برق
- کلامِ رضا میں توحید کی ضیاباریاں: پروفیسر فاروق احمد صدیقی
- فاضلِ بریلوی کا شعری وزن: ریاض حسین چودھری
- سلامِ رضا کے دو باغوں کی سیر: ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی
- اسلوبِ رضا کا بانکپن: ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی
- شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی فن اور تنقید: پروفیسر محمد اکرم رضا
- صنعتِ محجوب کے مسائل اور مولانا احمد رضا بریلوی کی شعری عظمت: ڈاکٹر سید شمیم احمد گوہر
- فاضلِ بریلوی کے بعض اشعار کی فنی ولسانی توضیحات: ڈاکٹر محمد شکیل اعظمی
- کلامِ رضا میں حسن و جمال مصطفوی کے نرالے تذکرے: غلام مصطفیٰ قادری رضوی

دفاعِ اعلیٰ حضرت میں کتب ومقالہ جات:

- کنزالایمان پر اعتراضات کا تحقیقی جائزہ: ولانا تبسم شاہ بخاری
- البریلویہ کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ: امہ عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے خلاف وہابی مولوی احسان الٰہی ظہیر کے بے سروپا اور من گھڑت الزامات کا تحقیقی محاسبہ
- اعلیٰ حضرت کون؟: ولانا شکیل الرحمٰن مصباحی لفظ اعلیٰ حضرت کہنے پر اعتراضات کرنے والوں کی اپنی کتب میں یہ لفظ کہاں کہاں استعمال ہوا، اس کا ثبوت
- امام احمد رضا پر ایک الزام کی حقیقت: ولانا عبدالحکیم شرف قادری امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی پر لگائے گئے من گھڑت اور بے سروپا الزامات کی تحقیقات اور تشفی جواب
- خوب وناخوب: پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد علیہ الرحمہ امام احمد رضا کے بارے میں غلط طور پر مشہور کی گئی باتوں کا مختصر تجزیہ۔ بدعت، نوافل، شریعت وطریقت، ضرورت مرشد، استغاثہ واستعانت، سجدۂ تعظیمی، تصویر، فاتحہ، ایصال ثواب، بے پردگی، میت کے گھر مہمان داری، زیارت قبور، پیر ومرشد، چراغ جلانا، اگربتی اور لوبان جلانا، چادر چڑھانا، آلات موسیقی، موجودہ زمانے کے عرس ، آتش بازی اور شادی بیاہ کی خرافات کے بارے

امام احمد رضا کا موقف۔

- حسام الحرمین کی حقانیت وصداقت وثقاہت: علامہ مولانا محمد حسن علی رضوی، میلسی

دیوبندی اور وہابی کتب کی گستاخانہ عبارات۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا اور فتاویٰ علمائے مکہ و مدینہ مسمیٰ بہ حسام الحرمین کی عظیم کامیابی ہے کہ اہل توہین گستاخانہ کتابیں اور عبارات اصل حالت میں نہ رکھ سکے اور انہیں ان پر حاشیوں کے ذریعے ترمیمات اور تحریفات کے خول چڑھانے پڑے۔مگر گستاخانہ عبارات سے توبہ مقدر میں نہ تھی۔

- امام احمد رضا ایک مظلوم مفکر: علامہ عبدالستار ہمدانی

امام احمد رضا نے تن تنہا جو کارنامے سرانجام دیئے ان کی مختصر جھلک، ان کی علم و ادب کی خدمات کا مختصر جائزہ۔ بدمذہبوں کی طرف سے امام احمد رضا کے خلاف وسیع پیمانے پر چلائی گئی مہم کی وجوہات اور ان پر لگائے گئے بے سروپا الزامات کی تحقیقات وجوابات۔

- الصوارم الهندیه' التحقیقات لدفع التلبیسات: مولانا حشمت علی خان علیہ الرحمہ
- التحقیقات لدفع التلبیسات:

صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی

علمائے دیوبند کے ساتھ علمائے اہل سنت کے اختلاف کی بنیادی وجوہات۔پہلی وجہ تحفظ ناموس رسالت۔اشرف علی تھانوی کا اپنی کتاب حفظ الایمان میں حضور کے علم پاک کو جانوروں کے علم سے تشبیہ دینا، رشید احمد گنگوہی کا اپنی کتاب براہین قاطعہ میں شیطان کے علم کو حضور کے علم پاک سے زیادہ قرار دینا، قاسم نانوتوی کا اپنی کتاب تحذیر الناس میں حضور کے خاتم النبین ہونے سے انکار۔دیوبندی اور قادیانی حضرات کی کفریہ عبارات پر مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے علمائے کرام کے فتوے بنام حسام الحرمین۔

- اعلیٰ حضرت پر 150 اعتراضات کے جوابات: مولانا محمد جہانگیر نقشبندی

دیوبندی اور وہابی کی طرف سے امام احمد رضا پر وقتاً فوقتاً لگائے گئے بے سروپا الزامات کے مختصر جوابات۔

- عقیدہ توحید کے تحفظ میں مولانا احمد رضا خاں کی خدمات: حافظ محمد سعداللہ

عقیدہ توحید کا مفہوم، دل پر ایمان نقش، کمال اطاعت ومحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ترجمہ قرآن میں تقدیس و عظمت الٰہی کا لحاظ، اللہ عزوجل کے لئے جھوٹ کے امکان کا بھرپور رد، تعظیمی سجدہ کی حرمت کا فتویٰ، علم الٰہی اور علم رسول میں برابری کی تردید، قبر پرستی کی ممانعت

- اعلیٰ حضرت کی انگریز اور اس کی عدالت سے نفرت: مولانا عبدالمجتبیٰ رضوی
- اعلیٰ حضرت کہنے پر مخالفین کے شبہات کا جواب: مفتی عبدالمنان اعظمی
- اعلیٰ حضرت کے خلاف میڈیا کا غلط پروپیگنڈہ: آصف حسن خاں نوری
- امام احمد رضا ایک مظلوم مصلح: مولانا مرغوب حسین قادری
- اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اور ردِ بدعات: عبدالرشید صدیقی
- احادیثِ موضوعہ اور امام احمد رضا: علامہ فیض احمد اویسی علیہ الرحمہ
- کنزالایمان پر اعتراضات کا علمی جائزہ: صاحبزادہ ابوالحسن واحد رضوی

پی۔ایچ۔ڈی اور دیگر مقالہ جات:

- امام احمد رضا اور عشق مصطفیٰ: تحریر و تحقیق: مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری، مقالہ تحقیق جس پر میسور یونیورسٹی نے فاضل مولف کو پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا کی۔
- امام احمد رضا اور فن تاریخ گوئی: پروفیسر ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم

جاری۔۔۔۔۔۔۔

□□□

ادارہ

مکتوبات صدی کے چند اقتباسات

اللہ کی طرف جانے کے راستے:

اللہ تم کو اپنا راستہ دکھائے۔ جانو! کہ خواجہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا "کیف الطریق الی اللہ" (خدا تک پہونچنے کا کونسا راستہ ہے)۔ آپ نے جواب دیا "ان غبت عن الطریق تصل الی اللہ" (جب تم راستے سے غائب ہو جاؤ تو خدا تک پہونچ جاؤ گے)۔ اس سے سمجھ لو کہ جب راستہ دیکھنے والا خدا کا دیکھ نے والا نہیں ہوسکتا، تو جو خود میں ہے وہ، حق میں کیوں کر ہوسکتا ہے۔ ہم کو اور تم کو صرف بننے اور سنورنے سے کام ہے ہمیشہ اپنے ہی کو دیکھا کرتے ہیں۔ حق کی بندگی کبھی نہیں کرتے، گویا اپنی ہی پرستش کرتے ہیں۔ اگر ہماری اور تمہاری آنکھ اپنے نفس کی جہالت پر پڑ جائے تو کبھی مسلمان ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتے اور یہ اس وقت معلوم ہوگا جب شریعت کے پیالے میں سے کوئی بوند تمہارے حلق میں ٹپکے اور تمہاری خوش نصیبی کی آنکھ کھل جائے اس وقت اس شعر کا مطلب ظاہر ہوگا جیسا کہ کہا ہے۔

توبہ کردم زہر چہ دانستم　　　نامہ چون نام تو زبر کردم

(جو کچھ میں جانتا تھا اس سے توبہ کر لی۔ اور تیرا ہی نام یاد کرلیا)۔ کہا گیا ہے کہ خدا کی بے نیازی کا آفتاب جب عالموں کے علم کے دریا پر چمکا، سارے دریا سوکھ گئے۔ ان میں ذرا بھی تری باقی نہ رہی۔ ان سے کہا گیا اے بزرگو! تمہاری کنجی سے تو سب قفل کھل جاتے تھے تمہارے ہی دروازے کیوں بند ہو گئے۔ کچھ سمجھتے ہو ایسا کیوں ہوا۔ دنیا کے کاروبار میں ستاروں کو جس قدر دخل ہے وہ اسی وقت تک ہے جب تک سورج طلوع نہیں ہوا ہے جب آفتاب بلند ہوا ستاروں کا وجود اور ان کا کاروبار ماند پڑ کر ختم ہو گیا اس سے سمجھو کہ ہستی جو ایک تنکے کے برابر ہے اس میں اتنی طاقت کہاں کہ توحید کی بجلی کے سامنے ٹھہر سکے۔ جب اس کے علم کا آفتاب چمکتا ہے سارے علم جہل سے بدل جاتے ہیں۔ جب اس کا ارادہ ظاہر ہوتا ہے۔ ساری خواہشیں ایک ایک کر کے کاٹ دی جاتی ہیں۔ جب اس کی قدرت کا مظاہرہ ہوتا ہے تمام قدرتیں عجز بن جاتی ہیں جب اس کی عزت کا جلال سامنے آتا ہے تو سارے جلال اور ساری بزرگیاں ذلت کی خاک میں ملیا میٹ ہو جاتی ہیں جب کبریائی کا پردہ توحید کے رخسار سے اٹھ جاتا ہے تو کل موجودات مٹ مٹا کر نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔ جہاں تک تم سے ہو سکے مالک بننے کا دعویٰ نہ کرو تم سے دوکان نہیں چھینتے اور اس کی پونجی کے متعلق کوئی جھگڑا اور دشمنی نہیں ہے۔ مگر اپنے کو بھولو نہیں بڑھ چڑھ کر اپنا نام نہ لیا کرو۔ کبھی نہ کہو ہم ایسے اور ویسے ہیں۔ اس دعوے کا وہی نتیجہ ہوگا جو فرعون کے ساتھ ہوا۔ جب اس نے کہا "انا ربکم الاعلیٰ" (میں تمہارا بزرگ و برتر پروردگار ہوں)، اور تمہارا نفس عبا قبا پہن کر کہتا ہے "انا ربکم الاصغر" (میں تمہارا چھوٹا پروردگار ہوں)۔ تمہارا نفس بھی وہی فرعونی کرتا ہے جیسا کہ فرعون کے نفس نے کی۔ مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ فرعون کا نفس جیسا گمراہ تھا ویسا ہی اس نے اپنے کو دیکھا۔ اور تمہارا نفس مسلمانی کا لباس پہن کر تمہارے ہاتھوں اپنے کو بیچتا ہے۔ اور تم مارے غرور کے مست ہو جاتے ہو۔ اس کا بھی وہی دعویٰ ہے جو

فرعون کا تھا۔ مگر یہاں اپنی جان کا ڈر ہے کے اگر اپنے کو ظاہر کریں اور کھلم کھلا میدان میں نکل ائیں تو مار ڈالا جائے۔

ہرگز ہرگز مالک بننے کی خواہش نہ کرو۔ غلام ہی بنے رہو۔ کیوں کہ یہاں توحید کی ننگی تلوار سر پر لٹک رہی ہے۔ جس نے سر اٹھایا وہیں کاٹ دیا گیا۔ جس طرح ابلیس نے دعویٰ کیا اس کا سر اڑا دیا گیا۔ بندے کی نہ کوئی ملک ہے نہ کوئی حکومت۔ اس کو لازم ہے کہ جو کچھ بھی کرے خدا کی مرضی پر کرے۔ اپنی خواہش اور اختیار سے کچھ نہ کرے۔ قرآن کریم کہتا ہے ''ضرب اللہ مثلا عبدا مملوکا لا یقدر علی شئی'' (اللہ نے مثال دی خریدے ہوئے غلام کی کہ اس کو کسی چیز پر قدرت نہیں) اور اس شخص کو علم و معرفت درکار ہے۔ اور کسی پیر کا سایہ۔ اس لئے کہ مرید کو یہ دولت بغیر ایسے پیر کے جو تجربہ کار اور راستے کے گرم و سرد کا مزا چکھ چکا ہو، حاصل نہیں ہو سکتی۔ کیوں کہ ایسا کہا گیا ہے ''من لم یکن لہ استاد فی الدین فامامہ ابلیس'' (جس شخص کا دین کی راہ میں کوئی استاد نہیں اس کا پیشوا شیطان ہوتا ہے)۔ اور عالموں نے ایسا کہا ہے ''العلم یوخذ من افواہ الرجال'' (علم لوگوں کی گفتگو سے حاصل کیا جاتا ہے)۔ جو کوئی اپنی طبیعت اور خواہش سے کسی معاملے کے سمجھنے کی کوشش کرے اور سمجھ بھی لے تو اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی پڑھے لکھے نے کتاب دیکھ کر یاد کر لیا ہو اور اس کو بیان بھی کر سکتا ہو۔ ایسا شخص اگر چہ عالم ہوگا ویسا عالم نہ ہوگا۔ اور صحیح و درست نہ ہوگا۔ کیوں کہ اس کا کوئی استاد نہیں ہے۔ تو سمجھ لو کہ اگر تم بدل گئے، لقمہ بھی بدل گیا اور تمہارے کام بھی بدل گئے نہیں تو اگر تم ہزاروں مرتبہ لباس اور لقمہ بدل ڈالو گے اور اپنے کو اس گروہ میں چھپا لو گے تاہم جب تک تم خود نہ بدلو گے ان باتوں کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اس گروہ میں گردش بہت بڑی چیز ہے۔ خلوت نشینی اور چلہ کرنے اور ریاضت کا اصل مقصد ہی گردش ہے کیونکہ بغیر گردش کے کسی شخص کی روش اور طریقہ درست نہیں ہو سکتا جس کسی کو دیکھو کہ بظاہر برے حال میں ہے وہ جبہ و دستار و عبا و قبا اور سفید نیلے کپڑے کی فکر اور اندیشے میں پڑا ہوا ہے۔ اس کو سمجھو کہ وہ اپنی گھات میں لگا ہوا ہے اور اپنی ہی پرستش کر رہا ہے۔ یا اپنی غلامی کرو یا دین کی غلامی کرو'' الضدان لا یجتمعان'' (آپس میں جو ایک دوسرے کی ضد ہیں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے) اگر تمہارے دل میں ذرا بھی اس کی خواہش ہو کہ لوگ تمہاری آؤ بھگت کریں۔ اور دنیا والوں کی آنکھ میں تمہارا اعزاز اور مرتبہ بڑھے تو سمجھ لو کہ راہ کھوئی ہوگئی۔ اگر کوئی شخص تمہارا مضحکہ اُڑائے اور تم اس پر غصہ ہو اور سمجھو کہ اس نے تمہاری بے عزتی کی ہے تو یہ جان لو کہ تم اسی طرح کے دانشمند ہو۔ یا مالک نے تم کو اب تک قبول نہیں کیا ہے۔ تم کو اپنی ہی ہستی میں لوٹ جانا پڑے گا اور رنگ رنگ کے کپڑے بدلنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اگر اتنی قدرت بھی حاصل ہو جائے کہ ایک گدڑی پر ہزار برس گذار سکتے ہو اور پوری زندگی ایک پتی کھا کر بسر کر سکتے ہو اور حجرہ کا دروازہ بھی بند کر دو تا کہ کوئی تم کو دیکھ نہ سکے یہاں تک کہ گرمی کے دنوں میں پرندے تمہارے سر پر سایہ کرتے رہیں اس وقت چونکو اور ہوشیار ہو جاؤ تا کہ کہیں غلط راستے پر نہ پڑ جاؤ کیونکہ یہ نفس کا فریب اور مکر ہے۔ جب تک تمہارے بدن کا رُواں رُواں تمہارے کفر کی گواہی نہ دے اور تم پر لعنت ملامت نہ کرے دولت کا دروازہ تم پر نہیں کھل سکتا۔ اور دین کا شہنشاہ تم کو اپنی حمایت میں نہیں لے سکتا سمجھ لو کہ جو کوئی بغیر کسی کی مدد کے اپنے پاؤں پر کھڑا ہوتا ہے وہ آپ ہی آپ گر پڑتا ہے یہیں سے پیروں کی عزت اور قدر سمجھو۔ تم دیکھتے ہو گے کہ جاڑوں میں سانپ اور بچھو اپنی اپنی جگہ سے ادھر اُدھر کہیں نہیں جاتے اور کسی کو نہیں ڈستے۔ ایسا اُن کی پرہیز گاری اور نیکی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ موسم کی ٹھنڈک ان کو شرارت کا موقع نہیں دیتی جب موسم بدلا اور گرم ہوائیں چلنے لگیں۔ اس وقت ان کے کرتوت اور کچھن کا تماشہ دیکھو کہ کس کس طرح ستانے لگتے ہیں۔ انسان کا نفس اس کا سانپ اور بچھو ہے اور اس کا ڈنک انسان کی زبان ہے کچھ دنوں گوشہ نشین ہو کر

نیکیوں اور تقویٰ کا مظاہرہ کرتا ہے۔ تم کچھ سمجھے وہ کیا ہے۔ اس
کی مراد بر نہیں آئی ہے۔ اور اس کی سرداری کے مقصد میں گڑ
بڑی پیدا ہوگئی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس گڑبڑی کو ان شیطانی
دھندوں سے چھپادے جیسا کہ تم نے بھی بڑے بڑے
جغادریوں کو دیکھا ہوگا کہ جب اپنے کام سے نکال دیئے جاتے
ہیں اور ان کے اختیارات چھن جاتے ہیں تو وہ مصلے پر بیٹھ کر
قرآن شریف کی تلاوت میں محو ہوجاتے اور نفل روزے اور نفل
نمازیں پڑھا کرتے ہیں۔ لمبے لمبے وظیفے شروع کردیتے ہیں۔
اب جو کوئی ان کے پاس جاتا ہے، تو اس سے کہا کرتے ہیں
درحقیقت اصل کام یہی ہے۔ اور وہ سب کچھ بھی نہ تھا ہم پر خدا کی
رحمت نازل ہوئی کہ ان گذشتہ کاموں سے ہٹا لیے گئے۔ اگرچہ یہ
باتیں حقیقتاً بالکل صحیح اور درست نہیں مگر وہ شخص اس بات کا اہل نہیں
ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر وہی کام اور وہی درجہ اس کو پھر دے دیا
جائے اور سارے اختیارات دوبارہ سپرد کردیئے جائیں تو خوشی کے
مارے پھولے نہ سمائے گا اور یہ نغمہ اس کی زبان پر ہوگا......ع۔
چنان خوش حالتے دارم کہ در عالم نمی گنجم (اس وقت میں اتنی اچھی
حالت میں ہوں کہ خوشی کے مارے دنیا میں نہیں سما سکتا) اور بڑے
دھوم دھام سے بزرگوں کی درگاہ میں نیاز چڑھائے گا۔ اور جو شخص
اس طرح اپنے گھر میں گوشہ نشیں ہوکر چکنی چپڑی باتوں کے لیے
زبان کی مشاقی کرتا ہے گویا زہر میں تلوار بجھاتا ہے تاکہ یہی تلوار
لوگوں پر چلائے اور اپنی جہالت کی وجہ سے اپنے نفس کے زہر کا
دین کی غیرت نام رکھتا ہے۔ اور اپنی حماقت اور جہالت سے نفس کی
عزت کو شریعت کی سختی بتاتا ہے۔ دیکھو ہوشیار رہو۔ اس کی ان
باتوں پر ریجھ نہ جاؤ تاکہ گمراہی سے بچ سکو، اس سے معلوم ہوگیا کہ
کسی پیر کی رہبری کے بغیر اس راستہ میں قدم رکھنا درست نہیں جیسا
کہ بزرگوں نے کہا ہے کہ محسوسات کے عالم میں وہ روحیں جو
استغراق میں محو ہیں ان کی مثال یوں ہے کہ کوئی چڑیا جال میں پھنس
گئی۔ وہ جتنا اُچھلے گی کودے گی اور پھڑ پھڑائے گی اسی قدر زیادہ
پھندے میں اُلجھ کر رہ جائے گی۔ اس کی رہائی کے لیے کسی دوسرے
شخص کی حاجت ہے کہ وہ ان پھندوں کو کھولے۔ پیر کا وہی کام
ہے۔ پیر بھی پیغمبروں کی طرح ہے جو امتوں کی ہدایت کے لیے
بھیجے گئے ہیں۔ ان سب پر درود وسلام، اور دوسرا بھید یہ ہے کہ شروع
شروع مرید کا دل ایسا نہیں ہوتا جو خدا کے انوار اس میں دکھائی دے
سکیں۔ کیونکہ وہ چمگادڑ کے مشابہ ہے جس کی آنکھ سورج کی چمک کی
تاب نہیں لاسکتی اندھیرے میں جانے سے بھٹکنے اور موت کا ڈر ہے
تو پھر ایسی روشنی کی ضرورت پڑتی ہے۔ جو آفتاب سے کچھ کم ہوتا
کہ اس سے فائدہ اُٹھائے اور اسی روشنی کی مدد سے راستہ چل سکے
ایسی روشنی پھیلانے والا پیروں کا دل ہوتا ہے۔ اللہ ان سب سے
راضی رہے جس طرح سورج سے چاند روشنی حاصل کرتا ہے اسی
طرح ان کا دل بھی غیب سے کسب نور کرتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے
کہ جب مرید کے دل میں تلاش و جستجو کا درد اُٹھتا ہے تو اس کے
علاج کے لیے تدبیر سوچتا ہے۔ مگر کچھ جانتا نہیں کہ اس کا علاج کیا
ہے جب خدا کی نوازش و مہربانی اس کو کسی پیر کے آستانے تک پہنچا
دیتی ہے تو اس پیر کے باطنی رشد و ہدایت سے اس کو دوا مل جاتی
ہے۔ اور پیر کے دل کے ذریعہ جذبۂ حق کی خوشبو اس کے دماغ میں
پہنچ جاتی ہے۔ اب وہ یہاں سر ڈال دیتا ہے اور اس کو آرام و سکون مل
جاتا ہے اسی کا نام ارادت ہے۔ اے بھائی! اس آب و گل یعنی
انسان کے ساتھ خدا کے بڑے بڑے اسرار اور بخششیں ہیں۔
حدیث میں ہے کہ جب ملک الموت اس امت کے کسی شخص کی
روح نکالنے کا قصد کرتا ہے تو اس وقت اس کو خدا کا حکم پہنچتا ہے کہ
پہلے میرا سلام تحیت اس کو کہہ اس کے بعد جان نکالنے کے لیے ہاتھ
بڑھا۔ تم نے قرآن شریف میں پڑھا ہوگا کہ قیامت کے دن
مومنوں پر خداوند کریم بغیر کسی واسطے کے سلام بھیجے گا۔ **سلام قولا
من رب الرحیم لا الہ الا اللہ** (بڑی مہربانی والے پروردگار
کی طرف سے سلام وکلام سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں ہے)

(بقیہ صفحہ 38 پر)

اظہار خیالات

رسالہ کو خالص علمی بنیادوں پر قائم کریں!

ڈاکٹر جلال رضا، امریکہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی أشرف الأنبیاء والمرسلین، وعلی آلہ وصحبہ أجمعین أما بعد!

چند روز قبل جناب سید منور شاہ صاحب کے توسط سے اردو زبان میں شائع ہونے والا ایک دوماہی مجلہ بنام الرضا دیکھنے کا اتفاق ہوا، یہ مجلہ پٹنہ، صوبہ بہار سے شائع ہوتا ہے، جس کے رجب وشعبان کا شمارہ اس وقت میرے سامنے ہے.

مجلہ کے نام سے واضح ہے کہ یہ رسالہ اعلی حضرت امام احمد رضا قادری حنفی علیہ الرحمہ کے تعارف، ان کے علوم ومعارف کی اشاعت، اوران کے افکار ونظریات کی حمایت اوران کے دفاع پر مبنی ہے. اس میں شک نہیں کہ اعلی حضرت علیہ الرحمہ نے علم ومعرفت کے بے مثال و بے نظیر چشمے بہائے ہیں، جن کی شہرت ساری دنیا میں ہے اور جن کی وقعت اہل انصاف کے نزدیک مسلم اور نا قابل انکار ہے، اوراس دعوی کی دلیل خود ان کی بے شمار تصنیفیں ہیں، جس کا جی چاہے خود تصدیق کر لے. ان باوقار اور قیمتی علمی کارناموں کو عرب دنیا نے قدر کی نگاہ دیکھا اور دنیائے اسلام کے نامور مفکرین بلکہ اداروں نے انہیں خراج عقیدت پیش کیا اور داد تحسین دیا۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

(اگر چمگاڈر کی آنکھ کو دن میں نہ دکھائی دے، تو اس میں سورج کا کیا قصور ہے)

اعلی حضرت علیہ الرحمہ کے بارے میں بچپن سے ہی بہت کچھ سن رکھا تھا، میرے محلے کے ہر ہر گھر میں اور ہر ہر محفل میں ان کا ذکر جمیل ہوتا تھا، حب نبوی، علمی گیرائی و گہرائی کا ہمیشہ چرچا رہتا تھا، ہم اور ہمارے ہم سبق ساتھی ان کی روحانی کرامتوں سے متعلق بہت سارے واقعات ہر روز سنا کرتے تھے. اس طرح ان کی عقیدت دل میں اس قدر جم گئی تھی کہ ان کے خلاف ایک بات بھی سننا گوارا نہیں تھا بلکہ اگر کوئی ان کے خلاف بولتا بھی تھا تو اسی وقت مناظرہ چھڑ جاتا تھا۔

یہاں تک تو ہماری عقیدت صرف سنی سنائی باتوں پر مبنی تھی، لیکن بعد میں یہی عقیدت ذاتی مطالعہ اور اعلی حضرت علیہ الرحمہ کی کتابوں پر براہ راست اطلاع سے مضبوط بنیادوں پر قائم ہوگئی. فقیر سنہ ۱۹۸۹ میں جامعہ نظامیہ، حیدرآباد، دکن میں جماعت پنجم میں داخلہ لیا، جہاں ۱۹۹۷ تک میرا قیام رہا، اور یہیں سے فضیلت کی ڈگری حاصل کی، یہاں داخلہ لینے کے دو تین سال کے اندر ہی علوم اسلامیہ کے مصطلحات کا ادراک اور اردو زبان و بیان میں دقیق مباحث کے سمجھنے میں اتنی بصیرت حاصل ہوگئی تھی کہ اعلی حضرت علیہ الرحمہ اوران کے معاصر علمائے کرام کی دقیق تحریریں پڑھ کر سمجھ سکوں.

مجھے اچھی طرح یاد ہے بلکہ خانۂ خیال میں ابھی بھی وہ احوال اور وقت تازہ ہیں، جب ہم چارمینار اور لاڈ بازار کے فٹ پاتھ پر ہفتہ وار پرانی کتابوں کے بازار سے گزرتے تھے، اور ہر ہر دکان پر ٹھہر ٹھہر کر پسندیدہ کتابوں کی ورق گردانی کرتے تھے. واضح

رہے کہ اس وقت حیدرآباد کے کچھ مکتبوں میں اعلیٰ حضرت کے رسائل خوبصورت اور دیدہ زیب طباعت میں دستیاب ہوتے رہتے تھے، اور ہم کتابوں کی تلاش میں اپنے دوستوں اور ساتھیوں کے ساتھ شہر کے کتب خانوں کا دورہ کرنے کے لئے نکلا کرتے تھے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس وقت انٹرنیٹ، فیس بوک، ٹوئیٹر وغیرہ ہم تک نہیں پہونچے تھے اور نہ ہم اس تک پہونچے تھے، کہ جب چاہیں ہزاروں اون لائن دوستوں سے کوئی بھی کتاب پی۔ڈی۔ایف کی شکل میں طلب کرلیں، اور وہ بھی اس طرح کہ دوست کی کتاب کی اصل کاپی میں کوئی فرق نہ آئے، لیکن اب ہوتا یہ ہے کہ آسانی سے دسیوں بلکہ سینکڑوں کتابیں مل جاتی ہیں، لیکن ایک بھی کتاب مکمل طور پر اور اچھی طرح سے نہیں پڑھ پاتے، بلکہ ایک دو صفحے الٹ پلٹ کر رکھ دیتے ہیں۔

یاد رہے کہ مجھے طبعی طور پر دقیق عبارتوں والی اور منطقی انداز کی کتابیں زیادہ پسند تھیں اور انہیں دلچسپی سے پڑھا کرتا تھا، اس وقت سے ہی میرے مزاج میں یہ بات شامل تھی کہ ہر مصنف کو پڑھنے میں وقت ضائع نہیں کرتا تھا بلکہ منتخبہ شخصیات کو ہی پڑھتا تھا جن میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سرفہرست تھے۔ الگ الگ موضوعات پر ان کے تصنیف کردہ تقریبا چالیس پچاس رسائل پڑھکر ہضم کرلیا تھا، اور ان کے مضامین اور لب لباب کو اپنے احباب اور دوستوں پر پیش بھی کر چکا تھا تا کہ اس بات کا تیقن ہوجائے کہ میں نے ان بحثوں کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے اور کیونکہ دوستوں میں بیٹھنے کے وقت ہوتا یہ تھا کہ جو دقیق بات محنت سے ذہن میں اتری ہوتی اسے فورا دوستوں میں بیان کردیا جائے اس سے دو فائدے ہوتے تھے ایک تو دوستوں کے ذہن پر علمی رعب قائم ہوجاتا تھا اور پھر اپنے سمجھنے پر اعتماد بڑھ جاتا تھا اور طالب علمی کے ابتدائی مراحل میں یہ دونوں باتیں عموما طلبہ کے درمیان پائی جاتی ہیں۔

میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی کتابوں کے ناموں کو نہایت شوق سے یاد کیا کرتا تھا کیونکہ ان رسائل کے نام تاریخی اور موضوع کی مناسبت سے اور مسجع ہوا کرتے تھے، یہاں ان موضوعات کی طرف بھی مختصرا اشارہ کردوں جنہیں ہم نے اس زمانے میں پڑھا تھا:۔

●۱. إيذان الأجر فى أذان القبر ●۲. وشاح الجيد فى تحليل معانقة العيد ●۳. الحرف الحسن فى الكتابة على الكفن ●۴. بريق المنار بشموع المزار ●۵. جمل النور فى نهى النساء عن زيارة القبور ●۶. إعلام الاعلام بأن هندوستان دار السلام ●۷. رد الرفضة ●۸. سبحن السبوح عن عيب كذب مقبوح ●۹. صفائح اللجين فى كون التصافح بكفى اليدين ●۱۰. الزبدة الزكية لتحريم سجود التحية ●۱۱. هادى الناس فى رسوم الاعراس ●۱۲. الحق المجتلى فى حكم المبتلى ●۱۳. الحجة الفائحة لطيب التعين والفاتحة ●۱۴. تمهيد ايمان بآيات قرآن ●۱۵. الأمن والعلى لناعتى المصطفى بدافع البلاء ●۱۶. نفى الفئ عمن استنار بنوره كل شئ ●۱۷. حياة الموات فى بيان سماع الاموات ●۱۸. الوفاق المتين بين سماع الدفين وجواب المبين ●۱۹. جحب العوار عن مخدوم بهار ●۲۰. حسام الحرمين على منحر الكفر والمين ●۲۱. صلات الصفاء فى نور المصطفى ●۲۲. قمر التمام فى نفى الظل عن سيد الاكوان ●۲۳. هدى الحيران فى نفى الفئ عن سيد الاكوان ●۲۴. السنية الانيقه فى فتاوى أفريقة ●۲۵. أحكام شريعت ●۲۶. عرفان شريعت ●۲۷. ملفوظات اعلى حضرت

ان کتابوں کے مطالعے کے بعد اندھی عقیدت ایک بصیرت پر مبنی محبت میں تبدیل ہوگئی۔ اس سلسلے میں یہاں یہ ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ اس وقت میں بہت لطف اندوز ہوا تھا جب احکام شریعت میں ہدایت علی نام رکھنے کے متعلق مولانا عبد الحی لکھنوی صاحب کے فتوے پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی تنقید کو پڑھا تھا۔ مولانا عبد الحی لکھنوی صاحب نے اپنے ایک فتوی میں شرکیہ معنی کے

ایہام کی بنیاد پر ہدایت علی اور عبد النبی وغیرہ جیسے نام رکھنے سے منع کیا تھا بلکہ اس سے بچنے کو لازم قرار دیا. اعلی حضرت علیہ الرحمہ نے ان پر تنقید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: " عبد الحی میں دو جز ہیں؛ اور دونوں کے دو دو معنی ایک عبد مقابل الہ، دوم مقابل آقا. قال اللہ تعالی: وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ [النور: 32]. (اور نکاح کردو اپنوں میں ان کا جو بے نکاح ہوں، اور اپنے لائق بندوں اور کنیزوں کا.) دیکھو حق سبحانہ وتعالی نے ہمارے غلاموں کو ہمارا عبد فرمایا، یونہی ایک حی اسم الہی کہ حیات ذاتیہ ازلیہ ابدیہ واجب سے مشعر اور دوسرا امن وتو زید عمرو پر صادق، جس سے آیت کریمہ تخرج الحی من المیت وغیرہا مظہر، اب اگر عبد بمعنی دوم لیجئے قطعا شرک ہے، وہی چار صورتیں ہیں، اور وہی ایک صورت پر شرک موجود، پھر عبد الحی ایہام شرک سے کیونکر محفوظ؟ اس سے بھی احتراز لازم تھا." (احکام شریعت، ص ٦٣).

دلچسپی کی بات یہ ہے کہ مولوی عبد الحی صاحب کا نام خود ان کے ہی فتوے کی روشنی میں غلط ثابت ہوا. یہ ایک نکتہ مثال کے طور پر ذکر کیا گیا ہے، درحقیقت اعلی حضرت کی کتابیں اس طرح کی علمی اور فقہی مسائل سے لبریز ہیں.

یہاں اس بات کا تذکرہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جب میں قاہرہ، مصر کا سفر کیا تو علم ومعرفت کی ایک نئی اور وسیع دنیا میں قدم رکھا، لیکن یہاں بھی اعلی حضرت کی کتابوں سے رشتہ نہ ٹوٹا بلکہ مزید گہرائی سے پڑھنے کا موقع ملا. سنہ ١٩٩٩ میں قاہرہ میں قیام کے دوران میرے ایک نہایت قیمتی دوست، شہید بغداد حضرت علامہ اسید الحق قادری بدایونیؒ نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ اعلی حضرت علیہ الرحمہ کو عرب دنیا میں قادیانی کے شاگرد کے طور پر پیش کیا گیا ہے، کیا ہی عمدہ بات ہے کہ اعلی حضرت علیہ الرحمہ کے ان رسائل کا عربی میں ترجمہ کر دیا جائے جو قادیانی کے رد میں ہیں تا کہ اس تہمت کا پائیدار اور محکم انداز میں ازالہ ہو جائے، اور عرب دنیا میں اعلی حضرت علیہ الرحمہ کا علمی اور کلامی پہلو سامنے آجائے. اسی تحریک پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے کئی اردو رسائل جو قادیانیت کی رد میں ہیں ترجمہ ہو کر القادیانیہ کے نام سے شائع ہوئے، اور اس طرح یکے بعد دیگرے کئی رسائل عربی میں مترجم ہو گئے، اور قاہرہ سے شائع ہوئے۔

شہید بغداد حضرت علامہ اسید الحق قادری بدایونیؒ نے اپنی زندگی کا جو آخری کارنامہ انجام دیا وہ اعلی حضرت علیہ الرحمہ کے متعلق ہی تھا، ان کے اس کام کو دیکھ کر فقیر بہت خوش ہوا تھا اور فخر کا احساس ہوا تھا دراصل قصیدتان رائعتان پر عراق کے ایک ڈاکٹر نے بے جا تنقید کی تھی اور اس میں عربی زبان و بیان اور شعری خامیوں کی نشاندہی کی تھی، جنکے ہر ہر اعتراض کا شہید بغداد نے عالمانہ اور تحقیقی جواب عنایت فرمایا. قادیانیہ کے ترجمے کے وقت میں نے منقبت کے کچھ اشعار عربی میں نظم کیا تھا، ان میں سے چند اردو ترجمہ کے ساتھ حاضر خدمت ہے۔

أَلَا صَحْبِيْ أَنِيْرُوْا فِيْ الظَّلَامِ
خبردار! میرے ساتھیو! تاریکی میں روشنی کر لیجئے

فَهٰذَا شَمْسُ مولانا الإمَامِ
دیکھئے ہمارے رہنما سردار کا سورج سامنے ہے.

وَيَهْدِيْكُمْ إِلَى سُبُلِ السَّلَامِ
اور آپ کو سلامتی کے راہوں کی طرف رہنمائی کرتی ہے

يُبَدِّدُ نُوْرُهَا حُجُبَ الدَّيَاجِيْ
اس کی روشنی تاریکیوں کے پردوں کو چاک کر دیتی ہے

وَ حُبِّ الْمُصْطَفَى خَيْرِ الْأَنَامِ
اور آپ کے دل میں بہترین مخلوق، حضرت مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو بیدار کردیگی

وَ يَمْلَأُ قَلْبَكُمْ بِسَنَا يَقِيْنٍ
اور آپ کے دل کو ایک عظیم یقین کی روشنی سے بھر دی گی

إلى يومِ القيامةِ بالدوامِ
قیامت کے دن تک مسلسل آب رحمت سے سیراب فرمائے

سَقَى المولى ثراه كُلَّ آنٍ
اللہ تبارک و تعالی ہر گھڑی ان کی تربت کو

مشورہ:

از راہ نصیحت و خیر خواہی اس مجلہ کے چیف ایڈیٹر برادر عزیز ڈاکٹر امجد رضا امجد صاحب کو اور ان کے رفقائے کار کو یہ مشورہ ہے کہ اس رسالہ کو خالص علمی بنیادوں پر قائم کریں، اس میں مختلف گوشے اور کالم قائم کئے جائیں اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے علمی اور ثقافتی سرمائے کو الگ الگ زاویے سے آسان اور سادہ انداز میں پیش کیا جائے. مثال کے طور پر اس میں تصوف کا ایک حصہ ہو، علم کلام کا ایک حصہ ہو، تفسیر کا ایک حصہ، فلسفہ کا ایک حصہ ہو مزید اسی طرح کے الگ الگ عنوان سے انکی علمی باتوں کو اردو زبان میں عوام و خواص تک پہونچایا جائے. اللہ تعالیٰ عزم و حوصلہ عطا فرمائے، اور مجلہ دن دونی رات چوگنی ترقی کرے۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ آلہ و صحبہ وبارك وسلم

❑❑❑

تفویض طلاق کی فقہی تفہیم و توضیح

مولانا عبدالباسط رضوی مصباحی

ابھی حال ہی میں مرکز اہلسنت سے ایک فتویٰ جاری ہوا کہ خواتین بھی تین طلاق دے سکتی ہیں اور وہ ہے تفویض طلاق یعنی شوہر معاملۂ طلاق کو بیوی کے سپرد کر دے۔ اب یہ تفویض طلاق بوقت نکاح ہو یا بعد نکاح۔ البتہ عورت کو اسی قدر طلاق کا اختیار ہے جتنا کہ شوہر نے سپرد کیا ہے۔ ایک تو ایک، دو تو دو، تین تو تین۔ جملہ معترضہ کے طور پر یہاں ایک بات عرض کردوں کہ عرصۂ دراز سے معاندین و حاسدین کی جانب سے مذہب اسلام پر یہ اعتراض کیا جاتا رہا ہے کہ جب اسلام عورتوں کو حقوق دیے جانے کی بات کرتا ہے تو پھر معاملۂ طلاق میں عورتوں کو نظر انداز کیوں؟ انہیں حق طلاق حاصل کیوں نہیں؟ میں سمجھتا ہوں معترضین نے طلاق کے معانی و مطالب کو جانا ہی نہیں ورنہ وہ دین فطرت کے قوانین پر اعتراض ہی نہ کرتے۔ دراصل زوجین کے درمیان ایک خاص قسم کے معاہدہ کا نام نکاح ہے جس کی وجہ سے عورت کے بہت سارے حقوق شوہر کے ذمہ لازم ہو جاتے ہیں مثال کے طور پر رہائش، لباس، غذا کے ساتھ جنسی حقوق وغیرہ۔ انہیں حقوق و ذمہ داریوں سے آئینی سبکدوشی کا نام طلاق ہے کہ طلاق کے ذریعہ شوہر ان ذمہ داریوں سے آزاد ہو جاتا ہے اس لیے اسلام نے ناگریز صورت حال میں طلاق کا اختیار شوہر کے ہاتھ میں دیا نہ کہ عورت کے ہاتھ میں اور ایسا نہیں کہ اس صورت میں طلاق کے ذریعہ شوہر عورت کی حق تلفی کرتا ہے بلکہ وہ خود کو عورت کے حقوق سے بری کرتا ہے۔ اسی طرح شوہر کی طرف سے حق تلفی کو عورت کے حقوق سے بری کرتا ہے۔ اسی طرح شوہر کی طرف سے حق تلفی کا شکار ہونے کے سبب عورت کو خلع کا اختیار دیا گیا ہے اور ایسے ہی بعض صورتوں میں ثبوت شرعی کے بعد قاضی کے ذریعہ نکاح فسخ کردینے کی بھی شریعت نے صورت رکھی۔ اب اصل مقصد کی بھی وضاحت کردوں کہ جہاں ایک طرف مرکز اہلسنت بریلی شریف سے جاری ہونے والے اس فتویٰ کا ہر کسی نے استقبال کیا وہیں دوسری طرف علماء دیوبند نے اس فتوے کو ماننے سے انکار کیا یہ کہتے ہوئے کہ خاتون کے لیے طلاق کا ایک راستہ خلع ہے اور وہ قاضی کی عدالت ہے جہاں سے وہ حاصل کرسکتی ہے اس کے علاوہ خاتون خود کو طلاق نہیں دے سکتی۔ میں سمجھتا ہوں یہ فقہ سے حد درجہ عدم توجہی اور بے اعتنائی ہے ورنہ فقہ کی تمام بڑی اور معتبر کتابوں میں باضابطہ تفویض طلاق کا باب مذکور ہے۔ بطور نمونہ چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔ مثلاً (فتح القدیر ص، ۴۱۰ سے ص، ۴۵۹ تک، شامی ۵۱۵ سے ۵۳۴ تک، درمختار ص ۲۲۶ سے ۲۳۰ تک، بدائع الصنائع ۱۱۳ سے ۱۲۶ تک، البحر الرائق ص ۵۳۹ سے ۵۶۰ تک، فتاویٰ عالمگیری ص ۳۸۷ سے ص ۴۱۵ تک، مجمع الانھر ص ۴۰۷

سے ۴۱۶ تک بنایہ ص ۱۲۱ سے ۱۲۹ تک، تحفۃ الفقہاء ص ۱۸۹ سے ۱۹۳ تک، فقہ مذاہب اربعہ ص ۲۸۷ سے ۲۹۱ تک فقہ السنۃ ۶۴۹ سے ۶۵۲ تک وغیرہ) یہ چند نظیریں عربی کتب فقہیہ سے پیش کی گئیں اور اردو میں تو یوں بہت سی فقہی کتابوں میں یہ مسئلہ شرح وبسط سے بیان کیا گیا لیکن یہاں میں ایک حوالہ خود علماء دیوبند کی ہی کتاب سے پیش کرر ہا ہوں جس کے بعد میں نہیں سمجھتا کہ کوئی انکار کی راہ ہے۔ فتاویٰ دارُ العلوم دیوبند جلد ۱۰ صفحہ ۳۳۳ پر ایک استفتاء اور اس کا جواب مذکور ہے میں یہاں من وعن نقل کرر ہا ہوں:

سوال: (۶۰۷) عبداللہ نے ھندہ سے بشرائط مندرجہ کابین نامہ نکاح کیا اور یہ بھی لکھوادیا کہ اگر میں ان شرائط کے خلاف کرونگا تو ھندہ کو اختیار تین طلاق کا ہے چنانچہ بعد نکاح کے عبداللہ نے چند شرطوں کا خلاف کیا اس بناء پر ھندہ نے اپنے نفس کو تین طلاق دے دیں اور بعد عدت زید نے نکاح کرلیا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ الجواب: اگر دو گواہ عادل علاوہ ہندہ اور ہندہ کے باپ کے شرائط کابین نامہ کے ہیں تو تین طلاق ہندہ پر واقع ہوگئیں اور دوسرا نکاح زید سے درست ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ متبع دیوبند میں بھی خیار طلاق کا اعتبار ہے۔ آج مرکز اہلسنت بریلی شریف سے آئے اس فتوے کے خلاف کوئی حکم بتانا مسائل شرعیہ سے ناواقفیت کے ساتھ اپنے گھر کے فتاویٰ سے بھی ناواقف ہونے کی دلیل ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ صرف عصبیت ہے کہ مرکز اہلسنت بریلی شریف کے جائز اور درست فتوے کی مخالفت کی جائے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ فتاویٰ دارُ العلوم دیوبند میں ایسے کئی فتاوے موجود ہیں جن میں عورتوں کے لیے خیار طلاق کا ثبوت ہے اب دیانت داری کا تقاضہ یہ ہے کہ جمعیۃ علماء کے جنرل سکریٹری مفتی ابوظفر صاحب اپنا یہ اعلان شائع کروادیں کہ مجھے یہ مسئلہ معلوم نہیں تھا یا دارُ العلوم دیوبند کے فتوے پر اعتبار نہیں یا میں اس قانون شرعی کو ماننے سے انکار کرتا ہوں۔

□□□

(بقیہ: مطالعہ کی میز سے)۔۔ سامنے آسکا اور وہ بھی جلد اول کی شکل میں۔ ان شاء اللہ العزیز اس کتاب کا نقش ثانی بھی منظر عام پر آئے گا۔ فاضل مصنف ہمہ دم اس کام کے لیے کوشاں ہیں، اللہ عزوجل انہیں کامیاب فرمائے۔

ترتیب احوال میں حروف تہجی کی رعایت برتی گئی ہے اور فاضل مصنف فرق مراتب کی الجھنوں سے صاف بچ نکلے ہیں۔ یہ طریقہ بہت مناسب بھی ہے۔ مولانا محمد الیاس مصباحی کا سنہ ولادت ۱۹۶۲ء ہے، جائے ولادت اندولی ضلع سیتامڑھی ہے اور جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے فراغت کا سنہ ۱۹۸۱ء ہے۔ دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی میں سات سال تک تدریس کی خدمت پر مامور رہے اس کے بعد دارالعلوم حمایت العلوم گجپور گرنٹ میں مسند صدارت سنبھالی اور مسلسل بیس سال تک یہاں رہے۔ ۲۰۰۸ء سے شہر بنارس کے مدرسہ خانم جان عربک اسکول میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہیں اور تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیفِ کتب اور تبلیغِ مذہب ومسلک کا کام کرر ہے ہیں۔ عربی وارد و وفارسی زبانوں کے ماہر ہیں، اردو میں کئی کتابوں کی تصنیف کے ساتھ عربی اور فارسی کی چند کتابوں کا ترجمہ بھی کیا گیا ہے۔ عربی مضامین پر مشتمل باقاعدہ ایک کتاب طبع ہوچکی ہے۔ مصباح الادب، شمع خطابت اور لطائف اعظمی ان کی مشہور تصانیف ہیں اور زیر نظر کتاب ان سب میں منفرد المثال ہے۔

یہ کتاب ۴۵۶ صفحات پر مشتمل ہے اور مجلس فکر رضا لدھیانہ پنجاب کے روح رواں حافظ شمس الحق رضوی نے اسے بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے۔ آغاز کتاب میں چند مشاہیر کی تحریریں کتاب اور صاحب کتاب کو فوکس کرتی ہیں۔ راقم اس کتاب کی تصنیف پر مولانا محمد الیاس مصباحی اور طباعت پر حافظ شمس الحق رضوی کو مبارک باد پیش کرتا ہے۔ اور تحریر وقلم کا ستھرا ذوق رکھنے والے احباب سے گزارش کرتا ہے کہ وہ اس جیسی کتابوں کی تصنیف وتالیف کا ذہن بنائیں اور ایسا کام کر گزریں جو تاریخی ہونے کے ساتھ ساتھ دستاویزی نوعیت کا ہو اور جماعت اہل سنت کی بقا کا ضامن بن جائے۔ یہ کام جماعت کے لیے مفید ہوگا اور آپ کے لیے بھی۔ کتاب کے حصول کے لیے یہ نمبر استعمال کریں: 09815130892

مطالعہ کی میز سے

تبصرہ کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : اشرف الاولیاء: حیات و خدمات
مصنف : مفتی محمد کمال الدین اشرفی
صفحات : ۱۷۶
ناشر : مخدوم سمنانی کمیٹی، نئی دہلی۔ ۹۶
مبصر : مفتی توفیق احسن برکاتی

خانوادہ اشرفیہ کے چشم و چراغ، شیخ طریقت، اشرف الاولیاء حضرت علامہ الحاج سید محمد مجتبیٰ اشرف اشرفی جیلانی قدس سرہ سلسلہ اشرفیہ کے شیخ طریقت، خدا رسیدہ بزرگ، مبلغ دین وسنیت، مرشد روحانیت ،اورمعرفت وحقانیت کے دانائے راز تھے۔جامعہ اشرفیہ کے عظیم فاضل، بلند پایہ خطیب، علم وعمل، زہدوتقوی، اوراخلاص میں بلند رتبہ تھے۔اشرفُ الاولیاء حضور اشرفی میاں علیہ الرحمہ کے پوتے اورحضرت مولانا سید شاہ مصطفی اشرف علیہ الرحمہ کے فرزند ہیں ۔ ۱۹۲۷ء میں کچھوچھہ شریف میں آپ کی ولادت ہوئی اور ۲۰ مارچ ۱۹۹۸ء کو ۷۱ سال کی عمر شریف میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔ابتدائی تعلیم مدرسہ اشرفیہ کچھوچھہ شریف اوراعلیٰ تعلیم دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور میں حاصل کی ۔اساتذہ میں حضور حافظ ملت ،علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری اورعلامہ حافظ عبدالرؤف بلیاوی علیہم الرحمہ کی ذات نمایاں ہے اوررفقائے درس میں بحرالعلوم مفتی عبدالمنان اعظمی علیہ الرحمہ کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔آپ ایک اچھے مناظر اور بافیض مرشد تھے۔آپ نے اپنی تبلیغ کا میدان ان علاقوں کو بنایا جو تعلیمی شعورو دینی اثرات کے لحاظ سے پس ماندہ تھے مثلاً بنگال ،بہار، بھوٹان، سکم اورآسام کے علاقے اورقصبہ جات ۔ آپ نے نہ صرف وہاں تعلیمی ادارے کھولے، مسجدیں بنوائیں بلکہ احقاق حق اورابطال باطل کے مجاہدانہ ومناظرانہ نقوش بھی مرتب فرمائے جن کی نشانیاں آج بھی ان علاقوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

فاضل مصنف مفتی محمد کمال الدین اشرفی مصباحی حضور اشرف الاولیاء علیہ الرحمہ کے مرید صادق ہیں جنہوں نے جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے ۲۰۰۰ء میں درجہ فضیلت اور ۲۰۰۲ء میں تحقیق وافتا کا کورس مکمل کیا اورسند ودستار سے سرفراز کیے گئے ہیں۔تدریس وفتوی نویسی کے ساتھ تصنیف ومقالہ نگاری آپ کے محبوب مشاغل ہیں ۔کئی کتابوں کے مصنف ہیں ،علمی وفقہی مقالات بھی تحریر فرماتے ہیں، فقہی سیمیناروں میں شرکت کرتے ہیں اوراس وقت ادارہ شرعیہ رائے گڑھ میں تدریس وافتا کے منصب پرفائز ہیں۔ زیرنظر کتاب کے ذریعے انہوں نے اپنے مرشد طریقت کی بارگاہ میں بالکل منفرد انداز میں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔موصوف خاندانی اشرفی ہیں اورسلسلہ اشرفیہ کے ارادت مندوں میں اپنی ایک الگ شناخت رکھتے ہیں۔پوری کتاب سوانحی انداز میں تحریر کی گئی ہے اوراپنے موضوع ومواد کے لحاظ سے حرف اول کا درجہ رکھتی ہے ۔تقریظ نگاروں میں شہزادہ اشرف الاولیاء حضرت سید جلال الدین اشرف ، بحرالعلوم مفتی عبدالمنان اعظمی، محدث جلیل علامہ عبدالشکور مصباحی اورمفتی نظام الدین رضوی جیسی عظیم وجلیل شخصیات کی شمولیت ہی اس کتاب کے بلند درجے کو متعین کرنے کے لیے کافی ہے۔صفحہ ۲۸ پر حرف آغاز سے اصل

موضوع شروع ہوجاتا ہے۔ مصنف کی زبان واسلوب میں کھردراپن بالکل بھی نہیں ہے۔ شگفتگی، روانی، ادیبانہ رنگ اور مودبانہ لہجہ دل ونگاہ کو خیرہ کرتا دکھائی دیتا ہے۔ صاحب تذکرہ کی بلند قامت ذات کی حقیقت افروزیاں ملاحظہ کریں، لکھتے ہیں:

''حضور اشرف الاولیاء راسخ الاعتقاد مرد مومن، اکابرین سلف کی سیرت وصورت کے پیکر جمیل، اولیاے کرام وصوفیانے عظام کی عنایتوں کے فیضان کا جلوہ زیبا، غوث اعظم کی نگاہ الطاف کا سرچشمہ، خواجہ ہند کے اقتدار کے وارث، سید جلال الدین تبریزی کے خوابوں کی زندہ تعبیر، آئینہ ہند حضور اخی سراج کی امنگوں کا ماحصل، شیخ علاؤالحق پنڈوی کے تصوفانہ صفات کی اعلیٰ تفسیر، محدث العالم مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی کی ولایت کا دل کش نمونہ اور ہم شبیہ غوث الثقلین مجدد سلسلہ اشرفیہ اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کی عملی تفسیر تھے۔'' (ص ۳۰)

ولادت، خاندانی پس منظر، تعلیم وتربیت، میدان عمل، دینی وعلمی خدمات، اخلاقیات، محاسن اخلاق، مناظرہ، حسن سلوک، زیارت حرمین شریفین، خلفاومریدین، دینی اداروں کا قیام، مساجد کی بنیاد گزاری، مخدم اشرف مشن کا قیام، اور وصال مبارک، اولاد وامجاد اور تصرفات وکرامات کو مختلف عناوین کے تحت دل نشیں پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ سوانح عمری مکمل ہوجاتی ہے۔ اخیر میں چند منظوم خراج عقیدت بھی شامل ہے۔ پوری کتاب ۱۷۶ صفحات پر مشتمل ہے اور مجلد شائع کی گئی ہے اور یہ کتاب کا دوسرا ایڈیشن ہے جو اس کی مقبولیت کی دلیل ہے۔ مصنف وناشر دونوں مبارک باد کے مستحق ہیں۔

مصنف سے رابطہ: 09580720418

□□□

نام کتاب : تذکرہ علماے اہل سنت سیتامڑھی
مصنف : مولانا محمد الیاس مصباحی
صفحات : ۱۴۵۶/ اشاعت: نومبر ۲۰۱۳ء
ناشر : مجلس فکر رضا، ۱۰۹۰، بستی جودھیوال، لدھیانہ، پنجاب
قیمت : ۳۰۰ روپے
مبصر : مفتی توفیق احسن برکاتی

تاریخ نگاری، تذکرہ وسوانح نویسی تحقیق کی ذیلی شاخیں ہیں اور یہ شغل انتہائی دقت طلب، صبر آزما اور مشقت آمیز ہے۔ کانٹوں بھری یہ راہ لہورنگ ہوتی ہے، قدم قدم پر کڑے امتحان سے گزرنا پڑتا ہے، لمحہ لمحہ کمزور ہوتے علمی رشتوں اور فنی روابط کے اس نازک عہد میں اس طرح کا کام ایک مجاہدہ ہی کہا جاسکتا ہے۔ ہر آن ناقدریوں کا ایک سناٹا، بے توجہی کی سسکیاں ہیں جو قلم کے مجاہد کو بے حوصلہ کر دیتی ہیں اور اس کے قلم کا دم گھنٹے لگتا ہے۔ ہم عجب قوم ہیں اور ہمیشہ پیچھے رہنے کے عادی ہوچکے ہیں۔ جب دنیا چاند ستاروں کی گردشیں ناپ کر مریخ پر قدم رکھنے کی تیاری کرتی ہے تو ہم زمین سے لوہے نکالنے کا آغاز کرتے ہیں۔ اسلاف کی زندگی کا مکمل ریکارڈ تو ہم کیا بچا پاتے، افسوس بھی نہیں کرتے اور وہ دستاویزات تلف ہوجاتے ہیں اور تاریخ کا حصہ نہیں بن پاتے۔ یہ کوتاہی ابتدا میں ہم کرتے ہیں اور دشمن ہماری معذوری پر شاندار عمارت کھڑی کرلیتا ہے اور پھر ہم اسے کوستے ہیں کہ اس نے بنیادوں کو ٹھیک سے کھنگالا نہیں، فلاں فلاں اینٹوں کو لگایا ہی نہیں۔ یہ دراصل کوتاہی ہماری تھی کہ ہم نے اس کے سامنے وہ اینٹیں رکھی ہی نہیں اور اس نے نئی اینٹوں پر عمارت تعمیر کی ہے لیکن اب قوم بیدار ہوچکی ہے اور اسلاف شناسی کا جذبہ بیدار ہو چکا ہے اگر چہ غیر منظم ہی سہی، کیوں کہ ہم اس طرح کے کاموں کو منصوبوں میں گنتے کہاں ہیں۔

تاریخ نگاری کم مشکل نہیں لیکن جواں مردوں کے لیے ہر مشکل آسان بن جاتی ہے، سوانح کے بالمقابل تذکرہ زیادہ دقت طلب ہے کیوں کہ کسی ایک شخصیت کے احوال وآثار کو جمع کرکے مرتب کرنا آسان ہے اس کی بنسبت متعدد اشخاص اور ماہرین فن کے تذکرے اکٹھا کرنا ذرا مشکل ہے۔ زیر نظر کتاب اسی مشکل شغل کے زمرے میں آتی ہے۔ مشکلات کی ایک وجہ یہاں اور بھی ہے کہ ہم زمانہ افراد سے ان کی زندگی

کے احوال مانگ کر جمع کرنا جوکھم بھرا کام ہے بلکہ سچائی تو یہ ہے کہ ہم ایسا کرنے والوں کو غلط نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ بسا اوقات اسے خودغرض کہنے سے بھی نہیں چوکتے، حوصلہ افزائیاں بھی ملتی ہیں مگر ذرا کم کم۔ خیر اس طرح کا جاں گسل کام کرنے والوں کی اکثریت ایسے جیالوں پر مشتمل ہوتی ہے جن کی نگاہ میں حوصلہ شکن پھبتیوں کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ یہ کتاب مستطاب فن تذکرہ نگاری کے ذیل میں آتی ہے جس میں صوبہ بہار کے معروف ضلع سیتامڑھی کے علماے اہل سنت کے مختصر احوال پیش کیے گئے ہیں جن میں کئی عہد کی شخصیات کو شامل کیا گیا ہے۔ عصری نقوش بھی ہیں، زمانہ قدیم کا رنگ بھی ہے، احوال زمانہ بھی ہیں اور مذکورہ افراد کا تعلق زندگی کے مختلف میدانوں سے ہے بلکہ خدمت دین کے مختلف شعبوں میں ان کی کاوشات کا ہمہ گیر تذکرہ شامل بحث ہے۔ ارباب طریقت، مشائخ، اساتذہ، شعرا، خطبا، مصنفین، مناظرین، ارباب نظم، قرا و حفاظ وغیرہ۔

علماے اہل سنت میں ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم کی علماے بستی، مفتی محمود رفاقتی کی تذکرہ علماے اہل سنت، مولانا عبدالحکیم شرف قادری کی تذکرہ اکابر اہل سنت پاکستان، پیرزادہ اقبال احمد فاروقی کی تذکرہ علماے اہل سنت لاہور، مفتی شفیق احمد شریفی کی تذکرہ اکابر اہل سنت، مولانا شہاب الدین رضوی کی مفتی اعظم اور ان کے خلفا، پروفیسر مسعود احمد نقش بندی کی خلفائے محدث بریلوی، ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی کی کاملان پورنیہ کے بعد زیر نظر کتاب تذکرہ علماے اہل سنت سیتامڑھی بہت بڑے منصوبے کی تکمیل ہے۔ اگرچہ مشائخ سلاسل کے تذکرے بھی مرتب کیے گئے ہیں، اس سے قبل اولیا کے تذکروں پر مشتمل کئی کتابیں لکھی گئیں، شعرا و مصنفین کے تذکرے وجود میں آ گئے ہیں بلکہ سب سے زیادہ یہی کام کیا گیا ہے۔ تذکرۃ الاولیاء اور تذکرۃ الانبیاء بھی مرتب کیا گیا۔ مختلف سلاسل کے بزرگان دین کے علاحدہ علاحدہ تذکرے تصنیف کیے گئے، تذکرہ مشائخ رشیدیہ، تذکرہ مشائخ قادریہ، تذکرہ مشائخ نقش بندیہ، مثال میں پیش کی جاسکتی ہیں۔ شہروں اور علاقوں کی مناسبت سے بھی اولیا کے تذکرے لکھے گئے جن میں شاہ محمد غوثی کی گل زار ابرار، سید امام الدین گلشن آبادی کی برکات الاولیاء قابل ذکر ہے۔ مشائخ دہلی پر تحریر کی گئیں کتابیں اس پر مستزاد ہیں۔

یہ تذکرے ہمیں اپنے ماضی کے تابندہ نقوش دکھاتے ہیں، اپنے اسلاف سے جوڑتے ہیں اور حرکت و عمل پر آمادہ کرتے ہیں۔ مولانا محمد الیاس مصباحی کی یہ کتاب اسی سلسلۃ الذہب کی ایک اہم کڑی ہے جس کے ورق ورق سے اسلاف شناسی اور تعارف معاصرین کی کرنیں پھوٹتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ مقدمہ نگار ڈاکٹر امجد رضا امجد لکھتے ہیں:

"یہ کتاب بیک وقت تذکرہ بھی ہے اور خدمات کے حوالے سے "اشاریاتی ڈکشنری" بھی۔ کتاب کی زبان مختلف لہجے کا مرکب ضرور ہے مگر مشمولات و مندرجات کے اعتبار سے یہ کتاب اتنی معیاری ہے کہ اسے ماخذ کا درجہ حاصل ہوگا۔ محققین کے لیے یہ انمول سرمایہ ہے۔" (۳۲)

اس کتاب میں سیتامڑھی بہار کے ماضی و حال کے ڈیڑھ سو کے قریب صاحبان علم و فضل کی حیات و خدمات کو یکجا کیا گیا ہے اور آسان زبان میں خوب صورت لب و لہجے میں حقائق و معارف پیش کیے گئے ہیں۔ چوں کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر مقدمۃ الجیش کی حیثیت رکھتی ہے اور زیادہ تر معلومات و مواد کا تعلق دیدہ و شنیدہ اور معاصرین سے حاصل کردہ ہے اس لیے بہت زیادہ حوالے نہیں ہیں تو کوئی عیب بھی نہیں کہ حرف اول ایسا ہی ہوتا ہے لیکن اس کے دستاویزی ہونے سے انکار کرنا بھی نادانی ہوگی۔ مصنف خود ایک جگہ رقم طراز ہیں: "کتابوں کی تلاش، کتابوں میں درج حالات کو ڈھونڈ نکالنا اور حوالہ جات سے لکھ لینا نسبتاً آسان ہے لیکن سینوں میں دفن حالات کو یکجا کرنا کافی مشکل ہے۔ اس پریشانی سے جو لوگ دوچار ہوتے ہیں وہی ان کے آزار سے واقف ہیں اس لیے اس موقع پر اپنی پریشانیوں کا تذکرہ بے سود ہے۔" (ص ۴۳)

مصنف نے اس موضوع پر کام کا آغاز ۱۹۹۷ء میں کیا تھا لیکن اس کی تکمیل میں تقریباً سولہ برس کا طویل عرصہ لگ گیا اور ۲۰۱۳ء میں یہ کارنامہ دنیاے علم کے (بقیہ صفحہ ۶۰ پر)